مخلوق پر شفقت کا بہترین مظاہرہ

جنگ احد میں مسلمانوں کو سخت پریشانیاں اٹھانی پڑی تھیں۔ ان کی بڑی تعداد شہید ہوئی۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی مجروح ہوگئے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: آیا آپ پر اس سے بھی زیادہ سخت زمانہ گزرا ہے؟ فرمایا: عائشہ! تیری قوم کی طرف سے مجھے سخت گھڑیاں دیکھنی پڑی ہیں'' پھر اس سلسلے میں طائف کے واقعے کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ہوا:

''میرے پاس پہاڑوں کا فرشتہ آیا اور بولا: ارشاد ہو تو پہلو کے دونوں پہاڑ ان لوگوں پر الٹا دوں اور وہ پسے جائیں۔ میں نے کہا، نہیں نہیں، امید ہے اللہ تعالیٰ انھیں میں سے ایسے لوگ پیدا کردے جو صرف ایک خدا کی عبادت کریں گے۔''

یہ تھی حضور کی شانِ رحمت، یہ تھی خلق خدا پر لامتناہی شفقت، صبر و استقامت کی حیرت انگیز مثال، مخلوق کی بہبود کے لیے بے پناہ تڑپ، پیغام حق کی صداقت پر انتہائی یقین اور اس پیغام کو دنیا تک پہنچانے کا جو نادر نمونہ اس ارشاد میں ملتا ہے۔ سرگزشت عالم میں اس کی کوئی دوسری نظیر نظر نہیں آتی۔ عالم انسانیت میں سے کسی دوسرے برگزیدہ وجود کے قدمہائے مبارک شفقت علی الخلق کے اس بلند ترین مقام تک نہ پہنچ سکے۔

(رسول رحمت، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد ص ۱۵۲)

درس حدیث

کھانے کے وقت بسم اللہ کہنا

محمد اظہر مدنی

عن عائشة رضی الله عنها أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: اذا أكل احدكم طعاما فلیقل بسم الله، فان نسی فی اوله فلیقل بسم الله اوله و آخره" ۔ (رواہ الترمذی(۱۷۸۱) ابواب الاطعمة، باب ماجاء فی التسمیة علی الطعام وقال حسن صحیح، وصححه الشیخ الالبانی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھانے لگے تو بسم اللہ کہے اور اگر بھول جائے (بسم اللہ کہنا ابتدائے طعام میں) تو اس طرح کہے: "بسم الله فی اوله و آخره" یعنی اول اور آخر دونوں حالتوں میں اللہ کے نام سے۔

تشریح: ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ جب وہ کوئی کام کرتا ہے تو وہ اپنے رب کے نام سے اس کی ابتداء کرتا ہے۔ یہی اس کی پہچان اور اپنے معبود حقیقی سے حد درجہ محبت اور وفاداری کا ثبوت ہے۔ اس لیے کہ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ وفاداری کرنا اور اپنے عمل سے اس وعدے کو ثبوت بہم پہونچانا یہی بندگی کی دلیل ہے۔ اسی طرح قرآن کریم اعلان کرتا ہے کہ "قل ان صلاتی ونسكی ومحیای ومماتی لله رب العالمین" اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا مرنا اور جینا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ یعنی زندگی میں انسان جو کچھ کرتا ہے وہ سب رب العالمین کے لیے ہے۔ کھانا پینا جو ہر انسان کی ضرورت ہے اس کے بغیر کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا ہے اور نہ زندگی کا تصور کیا جا سکتا ہے، وہاں بھی ایک بندہ مومن اپنے رب کا وفادار ہونے اور نبی کریم ﷺ سے اپنی سچی محبت اور ان کی اقتداء و پیروی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ جب کوئی شخص کھانے کی ابتداء کرے تو ابتدائے طعام میں بسم اللہ کہے۔ یہی سنت کا طریقہ ہے اور کھانے کو شیطان ملعون سے محفوظ رکھنے اور خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کھانے میں شریک ہوتے تو ہم کھانے میں اس وقت تک ہاتھ نہ ڈالتے جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اس میں اپنا ہاتھ ڈال کر پہل نہ فرما دیتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم کھانے میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک تھے کہ ایک چھوٹی سی بچی، آئی ایسا لگ رہا تھا کہ اسے ڈھکیلا جا رہا ہے، بڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی آئی اور کھانے میں اپنا ہاتھ ڈالنے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر ایک اعرابی تیزی سے آیا، ایسا لگ رہا تھا کہ اس کو بھی کوئی دھکا دے رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ "ان الشیطان یستحل الطعام ان لا یذكر اسم الله علیه" یعنی جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو شیطان اس کھانے کو اپنے لیے حلال سمجھ بیٹھتا ہے اور وہی شیطان اس بچی کو لایا تھا تا کہ اس کے ذریعہ اس کھانے کو اپنے لیے حلال کر لے تو میں نے اس بچی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر شیطان اس اعرابی کو دھکا دیتے ہوئے یہاں لایا تا کہ اس کے ذریعہ کھانے کو اپنے لیے حلال کر لے تو میں نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "والذی نفسی بیده ان یده فی یدی مع یدها ثم ذكر اسم الله و أكل" قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میرے ہاتھ میں اس بچی کے ہاتھ کے ساتھ شیطان کا ہاتھ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور کھانا تناول فرمایا۔

بندہ مومن کو ہمیشہ شیطان کے حربے سے چوکنا رہنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان اس پر حملہ آور ہو جائے اور اس کے کھانے کو حلال سمجھ کر کھالے۔ کیونکہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اور اس کا وطیرہ ہے کہ بندہ مومن کو اس کے سیدھے راستے سے بھٹکا تا رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے "ان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم"۔ بے شک شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے۔ چنانچہ کھانے اور پینے میں ہمیں اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ ہم بسم اللہ ضرور پڑھیں۔ اگر بتقاضائے بشری کوئی شخص بسم اللہ کہنا بھول گیا تو اسے چاہئے کہ سنت نبوی کے مطابق بسم الله اوله و آخره پڑھ لے، تا کہ اس کھانے میں شیطان مردود شریک نہ ہو سکے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتے اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ اب ہمیں یہاں رات گذارنے کی جگہ اور رات کا کھانا میسر نہیں ہوگا اور جب گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر نہیں کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ ہم کو رات گذارنے کی جگہ اور کھانا دونوں چیزیں میسر آ گئی ہیں۔

بسم اللہ کے تعلق سے علماء کے مختلف اقوال ہیں کہ آیا صرف بسم اللہ پر اکتفاء کیا جائے یا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مکمل پڑھا جائے۔ تو تمام دلائل اور نصوص کو سامنے رکھ کر امام البانیؒ کی رائے سب سے صحیح اور درست لگتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ صرف "بسم اللہ" کہا جائے اور اس میں کوئی اضافہ نہ کیا جائے اور نہ ہی کوئی کمی کی جائے۔ یہ سب سے افضل اور بہتر طریقہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے صرف بسم اللہ کہنا ثابت ہے تو اسی پر ہم اکتفاء کریں اور اس میں کوئی کمی یا بیشی نہ کریں۔ سب سے بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو حقیقی معنوں میں متبع کتاب وسنت بنائے اور اپنی زندگی میں اس کو نافذ کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ وصلی الله علی نبینا محمد وسلم تسلیما كثیرا

☆☆☆

اداریہ

اصغرعلی امام مہدی سلفی

قانون کی بالادستی

قرآن کریم جسے رب کریم وعظیم نے ابدی سچائیوں اور انتہائی اچھائیوں کو بتلانے ،اپنے بندوں کوان پر چلانے اورتمام انسانوں کوکامیاب وفلاح یاب بنانے کے لئے بڑے اہتمام سے سب سے عظیم وامین فرشتہ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سب سے افضل وبرتر اور صادق وامین رسول حضرت محمدﷺ پرنازل فرمایا تھا،اس کا ہر ہر لفظ اور ہر ہر حرف اپنے مقصد میں حرف آخر ہے، جس میں کسی ریب اور ادنی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔یہ تو سراپا چشمۂ ہدایت اور کیمیائے سعادت ہے۔یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ روئے زمین پر سب سے بڑا جرم اورسب سے بھیانک اور قبیح وکریہہ کام کسی انسان کوناحق وبیجا قتل کردینا ہے۔قرآن کریم نے ایسے شنیع کام انجام دینے والوں کے لئے دائمی طور پر جہنم میں رہنے کی وعید شدید سنائی ہے۔وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا (النساء:۹۳) ’’اور جوکوئی کسی مومن کوقصداً قتل کرڈالے اس کی سزادوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اوراس کے لیے بڑا عذاب تیار ہے‘‘۔

ایک دوسری جگہ ایک انسان کے ناحق قتل کوساری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا (المائدۃ:۳۲) ’’جو شخص کسی کوبغیر اس کے وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کرڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کردیا‘‘۔

کسی کا ناحق قتل عظیم ترین گناہ اور اکبر الکبائر میں سے ہے۔حدیث میں اسے سات ہلاکت خیز معاصی میں شمار کیا گیا ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:’’اجتنبوا السبع الموبقات قيل يا رسول الله ما هن قال الشرك بالله، والسحر وقتل النفس التى حرم الله الا بالحق الحديث‘‘ (بخاری) ’’سات ہلاکت خیز چیزوں سے بچو! صحابہ نے فرمایا وہ سات چیزیں کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کوشریک کرنا، جادو اور ناحق کسی جان کو قتل کرنا......‘‘۔

اسلام نے نہ صرف یہ کہ قتل ناحق کی ممانعت فرمائی ہے بلکہ امراء وحکام کواس بات سے بھی روکا ہے کہ اگر بطور قصاص کسی کا قتل ناگزیر ہوجائے تو ایسی صورت میں ایک کے بدلے دو یا تین یا چار لوگوں کو قتل کردیا جائے۔وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَـقِّؕ وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا فَلَا يُسۡرِفْ فِّى الۡقَتۡلِؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنۡصُوۡرًا (الاسراء:۳۳) ’’اور کسی جان کوجس کا مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے ہرگز قتل نہ کرنا۔اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مارڈالا جائے۔ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے۔پس اسے چاہیے کہ قصاصاً قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے۔بیشک وہ مدد کیا گیا ہے‘‘

قیامت کے دن بھی سب سے بڑا مظلوم وفریادی مقتول ہی ہوگا اور ظالم قاتل کوسب سے پہلے مجرمین کے کٹہرے میں علی شہود الخلائق کھڑا کیا جائے گا۔یہ ہمارے صادق ومصدوق نبی ﷺ نے ہمیں بتایا ہے جس کا ہم کھلی آنکھوں سے گویا مشاہدہ کررہے ہیں۔فرمایا:اول ما يقضى بين الناس يوم القيامة على الدماء (بخاری) ’’کہ قیامت کے دن سب سے پہلے ناحق خون کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا‘‘۔

مدیر مسئول

اصغرعلی امام مہدی سلفی

مدیر

عبدالقدوس اطہرنقوی

نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی   مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

مجلس ادارت

مولانا عبدالمعید مدنی   مولانا اسعد اعظمی

اس شمارے میں

درس حدیث ۲

اداریہ ۳

عیدمیلادالنبی کی شرعی حیثیت ۶

تزکیہ نفس انسانیت کی مشکلات کاحل ۹

امت محمدیہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق ۱۳

صلاۃ الضحیٰ ایک مہجور سنت ۱۸

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب ۲۰

درس وتدریس کے چند اہم اصول ۲۵

بچوں کے سوالات سے تنگی محسوس نہ کریں ۲۷

مرکزی جمعیت اہلحدیث برطانیہ کی خصوصی دعوت پر مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے امیر محترم فضیلۃ الشیخ اصغرعلی امام مہدی سلفی کا ۱۳روزہ کامیاب دورۂ برطانیہ ۲۹

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز ۳۰

جماعتی خبریں ۳۱

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک

سالانہ ____ ۱۵۰/روپے

فی شمارہ ____ ۷/روپے

پاکستان ____ ۵۰۰/روپے

بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ڈالر یا اس کے مساوی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ۴۱۱۶،اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔۱۱۰۰۰۶

ویب سائٹ www.ahlehadees.org

ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com

جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

انسان دنیا میں جتنے بھی بھیانک خواب دیکھتا ہے، یا حالت بیداری میں سنگین سے سنگین ترین اور بد سے بدترین احوال ومشاہدات سے دوچار ہوتا ہے، ان میں سب سے ہولناک، وحشتناک اور دہشت ناک منظر اور موقع قتل کا ہی ہوتا ہے۔ بڑا سے بڑا قاتل اس طرح کی واردات کو انجام دینے کے بعد خود اپنا ہوش وحواس برقرار نہیں رکھ پاتا ہے کیونکہ معاملہ قتل کا ہوتا ہی ہے ایسا دردناک والمناک۔ اسی لئے روئے زمین پر اس سے بڑا جرم اور کوئی نہیں ہے جو بندہ بندوں کے حق میں کرے۔

آج دہشت گردی کی ہیبت کاسۂ سرِ انسانی میں اس طرح سمائی ہوئی ہے کہ مجال تذبذب وتردید ہرگز نہیں ہے اور نہ اسے مانے بغیر کوئی چارہ ہے۔ تو ایسے میں ایک اور روشن اور واضح بات تسلیم کرنی ہوگی اور اس ابدی سچائی کو بھی ماننا پڑے گا کہ قتل انسانی اگر اس زمین کا انسانیت کے حق میں سب سے بڑا پاپ ہے تو اس سے بڑا پاپ فتنہ وفساد ہے۔ اور قرآن کریم نے وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ:۱۹۱) ''فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ترین وسنگین جرم ہے'' کہہ کر اس کی سنگینی وخطرناکی کو واضح کردیا ہے۔ کسی انسان نے اگر کسی انسان کو ناحق قتل کردیا اور اولیاء مقتول نے اسے اولیاء الامور کے سپرد کردیا تو گویا قانون کا وجود قائم ہوگیا اور آئین ودستور کو بالادستی حاصل ہوگئی۔ اور قانون کو عملا بھی تسلیم کرلیا۔ اگر معاملہ اس رخ پر چل پڑا تو یقین جانئے کہ معاملہ کے قانونی دائرے میں آجانے کے بعد عدل وانصاف کے تقاضے ضرور پورے ہونے کی امید بندھ جائے گی، شر وفساد رک جائے گا اور اس طرح آتش انتقام نہیں بھڑکے گی۔ سزا کی تنفیذ سے لوگ عبرت حاصل کریں گے اور ہزار طرح کے بے لگام شر وفساد سے ملک ومعاشرہ کی حفاظت ہوگی، بہت سے اندیشے ختم ہوجائیں گے اور بے شمار خرخشے سے فرد وجماعت، سوسائٹی، شہر وملک اور ملتوں کو چھٹکارا اور نجات حاصل ہوجائے گی۔ گویا کہ قتل جیسے بھیانک جرائم کے وقوع پذیر ہونے کے بعد بھی قانون اور آئین کی پاسیداری ثابت ہوئی۔ بصورت دیگر قانون کو ہاتھ میں لیتے ہوئے قتل کے بدلے قتل کے لئے اگر اولیائے مقتول کھڑے ہوگئے تو یہ ایک ایسا فساد ہوگا کہ جس میں نہ کسی جان کی خیر ہے نہ مال کی، نہ عزت وجاہ کی حفاظت کی گارنٹی ہے اور نہ ہی شجر وحجر کی اور نہ نباتات وجمادات او رحیوانات کی، بلکہ لامتناہی خونریزیوں اور تباہیوں کا بھیانک سلسلہ شروع ہوجائے گا جس کا ہر کس وناکس شکار ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔ خصوصا اگر یہ فساد محض شکوک وشبہات کی بنیاد پر برپا کیئے گئے ہوں تو اس کی شناعت وقباحت مزید دوچند ہوجاتی ہے۔ کسی جانور کے مار دینے کے شبہ میں یا کسی کو اغوا کرلینے کے وہم میں یا مزعومہ لو جہاد کے نام پر اگر یہ کام انجام دیا جانے لگے اور بھیڑ قانون کو ہاتھ میں لینے لگے تو یہ فتنہ قتل سے بڑا جرم بن جاتا ہے۔ اور کیا گاؤں کیا محلّہ بلکہ بڑے بڑے شہروں اور ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ امن وشانتی کی جگہ بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ ہر کوئی شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا جانے لگتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانیت کے دشمن اور فسادی ذہن وفکر رکھنے والوں کو کھل کھیلنے اور بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کا موقع مل جاتا ہے اور اس طرح نفرت وعداوت کے ماحول میں ایک ادنی چنگاری بھی آبادی کی آبادی کو چشم زدن میں خاک وخون میں نہانے کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ کفار مکہ بھی اسی طرح کی مذموم حرکتیں کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے خلاف غلط پروپیگنڈے کرنے میں مشاق تھے۔ وہ توحید ورسالت کی راہ میں مزاحم بنتے تھے۔ اللہ کے بندوں کو اس کے گھر میں آنے جانے سے روکتے تھے۔ وہ کسی قاعدہ وقانون کے پابند نہ تھے۔ راہ چلتے لوگوں کو مار ڈالنا ان کے لئے آسان تھا مگر مظلوم مسلمانوں نے اسے فتنہ نہ بننے دیا۔ پھر بعد کے دنوں میں بھی خود مسلمانوں کی صف میں فتنہ پھیلانے والوں نے قتل وخونریزی کو جس درندگی کے ساتھ انجام دیا اس کے تصور سے ہی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ خوارج کا فتنہ تاریخ کا بدترین فتنہ ہے۔ ان کمسن سرپھروں اور عقل کے پتلوں نے حماقت وسفاہت کی وہ تاریخ رقم کی ہے کہ الامان والحفیظ، اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عزم اور حضرت امیر معاویہ کا جزم وحزم نہ ہوتا اور فقہاء ومحدثین اور اہل حدیث کا اصلی سلفی نقطہ نگاہ اور ان کی عملی جولانگاہ نیز ان روز سیاہ میں بھی ان کا حلم واناۃ اور صبر وٹھہراؤ نہ ہوتا تو اپنے علم وتقویٰ اور زہد وللّٰہیت کے جذبے سے سرشار ہوکر اور خمار زہد میں ڈوب کر ملوک وخلفاء پر فتووں کی درانتی چلاتے رہتے اور بزعم خویش پیغام حق پہنچاتے رہتے اور سب کی تکفیر کرتے ہوئے ازالۂ منکر کرتے رہتے۔ اور خوارج کے شر وفساد سے بڑا فتنہ برپا ہوجاتا اور آج اس دور کے جن فتوحات دینیہ وعلمیہ اور اسلامیہ پر فخر کرتے نہیں تھکتے ہیں ان کا نام ونشان تک نہ ہوتا اور اسی وقت عالم اسلام تباہ وبرباد ہوجاتا۔ عصر حاضر کے پرجوش مگر بے ہوش لوگوں نے بھی اسی طرح عرب وعجم میں باغ وبہار کا سماں باندھنے کے لئے عرب بہاریہ کا راستہ دکھایا، جو عرب اور عالم اسلام کی بربادی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ عرب تو برباد ہوچکے، عجمیوں کے وارے نیارے ہوگئے، رہی سہی کسر پوری کرنے کے لئے سازشوں کا ایک لامتناہی جال ہے جو ہر طرح سے اور ہر راہ میں بچھا دیا گیا ہے۔ کچھ لوگ اس کے آلہ کار بن کر فتنہ وفساد کا سبب بن رہے ہیں۔ دشمن اپنی چالوں اور جالوں کیساتھ مسلم حکومتوں خصوصا مملکت توحید وانسانیت سعودی عرب کو اپنے نرغے میں لینے کے لئے پوری قوت سے میدان میں ہے۔ اور شام میں عرب بہاریہ کے نام پر سنیوں کے مکمل صفایا کردینے کے مضبوط منصوبے کی کامیابی کے ساتھ عراق میں عراقیوں کے حق اور آزادی دلانے کے نام پر اس کی مکمل بربادی کے بعد نوری مالکی جیسے متعصب اور ظالم کو حکمراں بنا کر امریکہ نے شیطان اکبر کہنے والوں کو تحفۂ عظیم دے کر عرب خوزستان ہی نہیں پورے عربستان عراق کو ان کا باج گذار بنادیا۔ ترکی جو ابھی کسی طور پر اسلام کا نام اور کام لینے کے لئے پر تول رہا ہے اس سے مختلف چالوں کے ذریعہ مسلمانوں کی آبرو وعزت اور قبلہ وکعبہ اور اس کے پاسبان وخادم سعودی عرب کو بھڑا دینا چاہتے ہیں اور حاسد وباغض یا سادہ لوح بھائی خوش ہورہے ہیں اور پروپیگنڈوں کو تیز کیے ہوئے ہیں گویا عالم اسلام کی دھما چوکڑی، معرکہ آرائی اور آپسی بھڑنت میں ایک سونے کی چڑیا بنی بنائی ان کے ہاتھ آجائے گی۔ ان عقل کے ماروں کو عراق اور سیریا کے عرب بہاریہ کے نتیجے سے سبق لینا چاہیے۔ **وما خبر ليبيا ومصر وعراق وغيرها منهم ببعيد**

مشہور قاعدہ ہے کہ بڑے منکر کا ارتکاب کئے بغیر چھوٹے منکر کا ازالہ اگر ممکن نہ ہو تو نہی عن المنکر نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ بڑے منکر کے ارتکاب کے مقابلے میں چھوٹے منکر کو برداشت کرلینا قرین مصلحت ہے۔ اگر اس چھوٹے منکر کے انکار سے بڑے منکر کا ارتکاب لازم آئے تو گویا چھوٹا منکر بھی برقرار رہا اور مزید بڑے منکر کا بھی ارتکاب کرلیا۔ اور یہی کچھ آج مسلم اور ایشیائی ممالک میں کرایا جارہا ہے۔ اور اس کی بربادی کا جواز فراہم کیا جارہا ہے۔ اور ڈیوائڈ اینڈ رول (لڑاؤ اور حکومت کرو) اور ثروات وخیرات کو لوٹتے رہو۔ بدقسمتی سے مسلم اور مشرقی دنیا میں شروع سے ہی ایسا ہوتا آرہا ہے۔ جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ خلیفۂ راشد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دردناک واقعہ ہو یا جمل وصفین کے خوں آشام معارک، یہ سب فتنوں کا شاخسانہ تھے اور یہ فتنے امت کے درمیان اس لیے راہ پاسکے تھے کہ دستور وقانون کو بالائے طاق رکھ کر بلوائی وفسادی لوگ خود ہی عدالت اور خود ہی جج بن بیٹھے تھے۔ اور ان **الحكم الا لله** کی آڑ میں حکمین کریمین سیدنا ابوموسی اشعری

رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم ماننے سے یہی نہیں کہ انکار کردیا بلکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ دونوں کوملت سے خارج قرار دے دیا۔ ان خوارج کے سلسلے میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے سچ فرمایا تھا جب ان خارجیوں نے مذکورہ آیت سے غلط استدلال کیا تھا کہ کلمة حق اريد به الباطل قرآن کی بات تو برحق ہے۔ لیکن اس کی آڑ میں باطل اور فساد کی نیت کارفرمائی ہے اور باطل پرستی اور فساد ذہنی کی کارستانی ہے اور اتفاق سے اس فتنہ کی لپیٹ سے پاکباز ان امت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ اس فتنہ کی نحوست کی وجہ سے آج تک امت مسلمہ ایک پلیٹ فارم پر جمع نہ ہوسکی اور اس کا نقصان نہ صرف مسلم امت بلکہ پوری انسانی دنیا کو اٹھانا پڑا۔

چوں از قومے یکے بے دانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

اس طرح سے اگر آپ پوری اسلامی تاریخ بلکہ انسانی تاریخ کا جائزہ لیں گے تو پتہ چلے گا کہ روئے زمین پر مختلف ادوار وامصار میں گوکہ ان گنت فتنے رونما ہوئے جیسے دین وعقیدہ میں بگاڑ کا فتنہ، رنگ ونسل کا فتنہ، تہذیب وثقافت کا فتنہ، مال واولاد کا فتنہ، سیاست وحکمرانی کا فتنہ، امامت وقیادت کا فتنہ، لیکن یہ سارے فتنے اپنی خون آشامی وتباہی وبربادی کے لحاظ سے قانون کو ہاتھ میں لینے کے فتنہ کے مقابلے کم نظر آئیں گے۔ نعوذ بالله من الفتن وما ظهر منها وما بطن

آج بھی ٹھیک یہی کیفیت ملک وملت اور امت کے اندر برپا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جس کا تدارک بہر حال اور بروقت ضروری ہے۔ اگر فتنہ کو بروقت لگام نہیں دی گئی اور غلط پروپیگنڈوں پر فوراً بند نہیں باندھا گیا اور ملک وملت اور عالم میں قانون کی بالا دستی قائم نہیں کی گئی تو اس کے مزید بھیانک نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ اس لیے قانون کی بالا دستی ضروری ہے۔ اور اسی میں ملک وملت اور انسانیت کی بھلائی کا راز مضمر ہے۔

وطن عزیز ہندوستان دنیا میں بہت سیکولر ملک مانا جاتا ہے۔ اس کا آئین سیکولر اقدار پر مبنی ہے۔ دنیا کے دیگر ممالک وبلدان بھی اپنے دستور کو بہتر سے بہتر بنا چکے ہیں۔ مسلم ممالک میں سعودی عرب کا دستور کتاب وسنت پر مبنی ہے۔ اگر لوگ ان قوانین وآئین پر خلوص نیت اور ایمانداری سے عمل کرنے لگیں تو انسانیت کے موجودہ محلی وعالمی مسائل ومشکلات کا کم از کم نصف حصہ پیدا ہی نہیں ہوگا اور نفرت وعداوت کے اکثر اسباب وعوامل سے دنیا کو چھٹکارا حاصل ہوجائے گا۔ برطانیہ کا قانون وآئین ظاہر بات ہے کہ اسلامی قوانین کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ البتہ انہوں نے اس میں اپنے عقل وتجربے سے کچھ خوبیاں رکھ دی ہیں، وہ بھی اسلام کا چربہ اتار کر۔ برطانیہ میں ان قوانین پر اہتمام سے عمل کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ناخدا ترس ماحول میں بھی بے شمار مشکلات سے نجات حاصل کرلی ہے اور بہت حد تک امن وچین کی زندگی کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ اگر وہاں اسلامی تعلیمات کی کارفرمائی ہوجائے تو یقیناً وہ خطہ جنت نشاں بن جائے اور اگر قانون کی بالا دستی کے ساتھ خدا ترسی کی خو بھی پیدا کردی جائے تو اس کا کیا کہنا! سعودی عرب میں ایمان واذعان کا عالم یہ ہے کہ صحافت واعلام کی تخریب کاریاں، بے حیائیاں اور بے راہ رویاں وہاں پر موجود نہیں ہیں۔ بے پردگی ہے اور نہ ہی اس کے عوامل کی کھلے عام چھوٹ۔ اللہ اکبر کی آواز کے علاوہ در وبام پر کوئی اور آواز ونقش رقص وغنا، قوالی وموسیقی ومزامیر سننے کو نہیں مل سکتے، اور نہ ستار وبانسری کے سرمل سکتے ہیں نہ ہی طبلہ وڈھول وغیرہ پر دھن سنے جاسکتے ہیں۔ اس کے وال ودیوال پر عریانیت وفحاشیت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پورے نجد وحجاز، تہامہ، جیزان، شرق وغرب اور جنوب وشمال کا چپہ چپہ اور اس کی گلی گلی پھر آئیے، قسم کھانے کے لیے بھی کوئی سعودی عورت کئی عشروں سے

اپنی ایک انگلی سرتا پا عریاں نہیں کرتی ہوئی ملے گی۔ نظام تعلیم اس قدر دینی کہ اعدائے اسلام اس پر ٹھیٹ اور قدامت پسندی تک کا الزام دھرتے نہیں تھکتے۔ قانون اسلامی کے نفاذ، قتل وقصاص اور حدود وتعزیرات، ایسے کہ جرائم مدتوں سے عنقاء مغرب بنے رہے۔ مجامع وجوامع، موسسات وجمعیات، ندوات وھیئات، مکاتب وجامعات اور مدارس کی اس قدر بھرمار کہ قدم قدم پر دین وایمان کی تلقین وتوجیہ کرنے والے متعین وموجود علماء ودعاۃ، مبلغین وواعظین، مرشدین، ائمہ وموذنین اور موظفین ومتطوعین وعظ وارشاد کی پاکیزہ محفل سجائے ہوئے مل جائیں گے۔ عبادت گاہوں سے لے کر عام آفسوں اور فیکٹریوں میں بھی مصلے بچھے ہوئے نظر آئیں گے۔ وسائل اعلام میں ریڈیو اور ٹیلی ویزن اور دیگر ذرائع ابلاغ، لٹریچر اور ہنڈبل کتابوں اور رسائل وجرائد کے مشتمل بر کتاب وسنت اور ارشادات سلف امت سے بھرے اور بکھرے ہوئے ملیں گے۔ اسلامی دار القضاء، خالص دینی کورٹ وکچہری، محاکم شرعیہ اور مجالس مقنّنہ وعدلیہ روز بروز پیش آمدہ مسائل ومشکلات کے حل کے لیے چست ودرست ملتے ہیں۔

اسلامی قانون کی برکت اور خدا ترسی نے عرب کی اس بدو ومفلس بادیہ نشین ومکیں قوم کو معیشت ومعاش اور بود وباش کے اس مقام اعلیٰ وارفع پر پہنچا دیا اور اس قدر مہذب ومتحضر بنا دیا کہ ماضی بعید وحاضر مدید وممتد تک اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

اس پر اللہ کا جس قدر شکریہ ادا کیا جائے اور ایسا پاکیزہ اور صاف ستھرا ماحول ملنے پر دل وزبان اور قول وکردار کے ذریعہ شکر گزاری کرتے ہوئے حکام واعلام اور مشائخ عظام کو بھی مخاطب کرتے ہوئے بار بار اور ہزار بار یہ کہا جائے تب بھی کم ہے۔

افادتكم النعماء مني ثلاثة
يدي ولساني والضمير المحجبا

اگر ایسا ہوا تو یقین جانئے کہ قانون الٰہی ابدی وازلی ''لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ'' (ابراھیم:۷) ''اگر تم شکر گزاری کروگے تو بے شک میں تمہیں زیادہ (نعمتیں) دوں گا'' کے تحت یہی نہیں کہ یہ نعمت روحانی اور مادی ہم سب پر خصوصا بلاد حرمین اور مہبط وحی اور پورے ملک میں ہمیشہ جاری وساری رہے گی بلکہ اللہ جل شانہ مزید تعمیر وترقی سے نوازتے رہیں گے۔ بصورت دیگر وعدہ ربانی کے تحت'' وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ'' (ابراھیم:۷) ''اور اگر تم ناشکری کروگے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے''، دنیا وآخرت میں دونوں جگہ اس کفران نعمت پر وعید شدید اور دردناک عذاب معلوم ومتعین ہے۔

ایک ایک سعودی متجنس ومتوطن، مقیم ومسافر اور وافد کا فرض بنتا ہے کہ اس کی قدر کرے اور ''اللهم نعوذبک من الحور بعد الكور'' کو ورد زبان بنائے رہے۔ ورنہ بعض اصلاح کے متوالوں اور دین پسندوں کے پرجوش نعروں کا شکار ہم ہوتے رہے، قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر امن وامان کو بھنگ کرنے پر تلے رہے اور منافقین اور مشرکین کی طرح ہر چھوٹے بڑے واقعہ کو بہانہ بنا کر انقلاب وشورش اور بد امنی کو ہوا دیتے رہے تو ہلاکت وبربادی سے ہمیں کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ کاش کہ دنیا کے عوام وحکام خصوصا عوام اپنے فرائض اور حدود کو پہچانتے، ہوش کے ناخن لیتے، قانون کو اپنا کام کرنے دیتے اور مجرمین اور کھلواڑ کرنے والوں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں مدد کرتے اور صبر سے کام لیتے تو ملک میں بھی امن وامان برقرار رکھنے میں مدد ملتی اور سارا عالم خصوصا دنیائے عرب تباہی وبربادی کے اس طوفان بلاخیز سے محفوظ رہتی۔ کاش کہ بلا تفریق مذہب وملت اور بلا اختلاف رنگ ونسل اور زمین وجغرافیہ ہمیں پر امن اور باہوش وذمہ دار شہری بننے کی توفیق نصیب ہوتی! کیوں کہ اسی میں عوام وحکام اور سارے دھرموں اور ورگوں کی بھلائی مضمر ہے۔ ☆☆☆

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

عبدالسلام عبدالقادر جامعی سرسی

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)

آج ہم لوگ مسلم معاشرے پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آج اکثر مسلمان شرک و بدعت میں ڈوبے ہوئے ہیں، قرآن مجید اور احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناواقفیت کی بناء پر ایسی ایسی غلط رسموں کو اپنا رہے ہیں اور ایسی ایسی بدعات وخرافات کو فروغ دے رہے ہیں جن کا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

انہیں بدعات وخرافات میں سے ماہِ ربیع الاول کی ۱۲؍تاریخ کو میلاد النبی کے نام سے موسوم ایک عید منائی جاتی ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت کا دن پیر ہے۔ مورخین ہی کی متفقہ رائے نہیں بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ ایک حدیث جو صحیح مسلم میں ہے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزے کی بابت سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ذلک یوم ولدت فیه ویوم بعثت أو أنزل علی فیه**" (**صحیح مسلم: کتاب الصیام**) یہ وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور اس دن میری بعثت ہوئی یا اسی دن مجھ پر وحی نازل کی گئی۔

اور اسی طرح پیر کے دن ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس پر بھی اہل علم کا اتفاق ہے۔ رہا معاملہ تاریخ ولادت کا اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہیں ملتی، البتہ سیرت ابن اسحاق کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں پیدا ہوئے یعنی جس سال ابرہہ اور اس کے لشکر نے بیت اللہ پر حملہ کرنے کی ناپاک سعی کی اور غضب الٰہی کا شکار ہوئے تھے۔ (ابن اسحاق، سند جید کذا قالہ البناء فی الفتح الربانی: ۲۰/۱۹۰)

امام سہیلی نے نقل کیا ہے کہ ابرہہ ماہِ محرم میں مکہ آیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے پچاس دن بعد پیدا ہوئے جب کہ امام سہیلی اور محمد بن اسحاق کے بقول جمہور اہل علم کا مسلک یہی ہے۔ (الفتح الربانی للبناء: ۲۰/۱۹۰)

مشہور مفسر ومورخ حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخی کتاب "**البدایة والنهایة**" میں لکھا ہے کہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ ربیع الاول میں پیدا ہوئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ کے اول یا وسط میں یا آخر میں پیدا ہوئے اس بارے میں اختلاف ہے، اور ابن کثیر نے بعض سیرت نگاروں اور مورخین کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ کسی نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۲؍ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور کسی نے کہا کہ ۸، کسی نے ۱۰، کسی نے ۱۲، کسی نے ۱۷، کسی نے ۱۸، اور بعض نے ۲۲؍ربیع الاول کہا ہے اور ابن کثیر نے کہا کہ ان تمام اقوال میں راجح دو قول ہیں، ایک ۱۲؍ربیع الاول اور دوسرا ۸؍ربیع الاول اور ابن کثیر نے ۸؍ربیع الاول ہی کو راجح قرار دیا ہے جو امام حمیدی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے اور کئی دیگر ائمہ نے اس کی تائید کی ہے۔ (البدایة والنہایة، امام ابن کثیر: ۲/ ۲۵۹ تا ۲۶۲)

امام طبری اور امام ابن خلدون نے ۱۲؍ربیع الاول کو اختیار کیا ہے۔ (رحمة للعالمین: ۱/ ۴۰، حاشیہ)

اور ابن الجوزی نے ۱۰؍ربیع الاول کو اولیت دی ہے۔ (الوفا باحوال المصطفےٰ طبع ریاض: ۱/۱۵۴)

جب کہ ماضی قریب کے دو عظیم سیرت نگاروں میں سے علامہ قاضی سید سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب رحمة للعالمین اور علامہ شبلی نے سیرت النبی میں ۹؍ربیع الاول بمطابق ۲۰؍اپریل ۵۷۱ء کو از روئے تحقیق جدید صحیح ترین تاریخ ولادت قرار دیا ہے۔ (سیرت النبی علامہ شبلی: ۱/ ۱۷۱، رحمة للعالمین: ۱/ ۴۰، حاشیہ)

اور اسی تاریخ کو محمد طلعت عرب نے تاریخ دول العرب میں صحیح قرار دیا ہے۔ (رحمة للعالمین: ۱/ ۴۰، حاشیہ)

مصر کے معروف ماہر فلکیات اور معروف ہیئت داں محمود پاشا نے اپنی کتاب "**التقویم العربی قبل الاسلام وتاریخ میلاد الرسول وهجرته**" میں دلائل ریاضی کی رو سے متعدد زائچے بنا کر ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۹؍ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور تحقیق کے ساتھ یہ بات ثابت کی ہے کہ جو لوگ ۱۲؍ربیع الاول کو یوم ولادت مصطفیٰ کہتے ہیں وہ غلط ہے کیوں کہ ۱۲؍ربیع الاول پیر کو نہیں آتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کو پیدا ہوئے اور پیر صرف ۹/ ربیع الاول کو آتا ہے۔ البتہ ۱۲؍ربیع الاول آپ ﷺ کی وفات کا دن ہے اور محمود پاشا نے اس بات کو مختلف دلائل وبراہین کے ساتھ ثابت کیا ہے .... تفصیل کے لیے دیکھئے... (سیرت النبی: ۱/ ۱۷۱-۱۷۲، طبع قرآن محل کراچی)

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ۹/ربیع الاول موسم بہار دوشنبہ پیر کے دن عام الفیل بمطابق ۲۲/اپریل ۵۷۱ء کو مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق وقبل از طلوع نیر عالم تاب پیدا ہوئے۔ (رحمۃ للعالمین)

آج ہمارے نام نہاد مسلمان بھائی جس تاریخ میں خوشیاں منارہے ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش نہیں بلکہ وفات کا دن ہے۔ افسوس! سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر خوشیاں..........۔

محفل میلاد کا موجد کون؟ جب خلافت عباسیہ کا زوال ہوا اور اسلامی مملکتیں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں، عقائد بگڑنے لگے، اسلام کے نام پر دشمنان اسلام نے اسلامی لبادہ اوڑھ لیا اور رافضی شیعوں نے جو اپنے آپ کو فاطمی کہتے تھے، محبت رسول کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کو اپنے دامِ فریب میں لینا شروع کیا اسی دور میں یعنی ساتویں صدی ہجری کے اوائل یعنی ۶۲۵ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے بہنوئی اور موصل کے قریبی شہر اربل کے گورنر ملک مظفر ابوسعید کوکبری نے اس محفل میلاد کو رائج کیا اور اسے بڑھاوا دیا۔

مولف "**الابداع فی مضار الابتداع**" نے لکھا ہے کہ عیسائیوں کے کرسمس کو دیکھ کر مصری فاطمیوں نے جشن میلاد کو رواج دیا۔

اور اس میلاد کے جواز کا فتویٰ سب سے پہلے ملک مظفر کے عہد کے ایک مولوی شیخ ابوالخطاب بن دحیہ نے دیا اور اس سلسلے میں اس نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام اس نے "**التنویر فی مولد البشیر النذیر**" رکھا، میلاد کے نام پر یہ کتاب ساتویں صدی میں لکھی گئی۔ اور اس کتاب کی تصنیف پر ملک مظفر نے اسے ایک ہزار دینار بطور انعام دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۳/ ۱۳۷)

محفل میلاد کے موجدوں کے سلسلے میں ائمہ ومحدثین کے اقوال:

۱- علامہ جلال الدین السیوطی 'حاوی' کے اندر ذکر کرتے ہیں کہ محفل میلاد النبی کو جس نے ایجاد کیا اس نے محفل میلاد کے موقع پر عام دسترخوان لگانے کا حکم دیا جس پر اس نے ۵۰۰۰ ہزار بھنی ہوئیں بکریاں اور ۱۰۰۰۰ بھنی ہوئی مرغیاں اور ایک لاکھ مکھن اور تیس ہزار حلوے کی پلیٹیں لگائی اور دور دراز کے صوفیوں اور پیر نما علماء کو محفل سماع کے لیے بلوایا اور یہ محفل میلاد ظہر تک رہی جس میں ناچ گانے کا بہترین انتظام کیا گیا اور اسی محفل میں نبی کی ذات مبارکہ کے بارے میں غلو بھی کیا گیا، جس میں بادشاہ ملک مظفر سمیت تمام پیر نما علماؤں نے ناچنا شروع کیا۔ (البدع الحولیۃ: ۱۸۲، البدایۃ والنہایۃ: ۱۳/ ۱۳۱، الحاوی: ۱/ ۱۸۹-۱۹۰)

۲- علامہ تاج الدین الفاکہانی اپنی کتاب "رسالۃ المورد فی الکلام علی عمل المولد" میں رقمطراز ہیں: عید میلاد کی کتاب وسنت کی روشنی میں کوئی شرعی حیثیت نہیں اور نہ اس کا کوئی اصل ہے بلکہ یہ ایک بدعت ہے جسے باطل پرستوں اور پیٹ پجاریوں نے ایجاد کیا ہے۔

۳- علامہ ذہبی اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: **کان یدعی اشیاء لاحقیقۃ لھا**" کہ ابوالخطاب بن دحیہ ایسی ایسی باتیں گھڑتا تھا جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

۴- حافظ ابن حجر عسقلانی جو صاحب فتح الباری کے نام سے مشہور ہیں وہ اپنی کتاب "**لسان المیزان**" میں رقمطراز ہیں: **خبیث اللسان احمق شدید الکبر قلیل النظر فی امور الدین متحاویلا**" یعنی ابوالخطاب بن دحیہ بدزبان تھا، متکبر تھا، تنگ نظر اور دینی معاملوں میں قلیل النظر تھا۔ (لسان المیزان: ۴/ ۲۹۶-۲۹۷)

۵- ملک مظفر محفل میلاد میں بھانڈ، مراثی، راگ ورنگ اور ناچنے والوں کو جمع کرتا اور راگ سنتا اور گانا باجا سن کر خود بھی رقص کرتا تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۳/ ۱۳۶-۱۳۷)

ملک مظفر بادشاہ جس نے محفل میلاد کو ایجاد کیا کیسے سنت رسول کا پیکر بن سکتا ہے، جو ناچنے اور گانے والوں کے ساتھ خود بھی ناچے اور گائے وہ شریعت حقہ کا پاسدار کیوں کر ہو سکتا ہے۔

۶- مولوی ابوالخطاب بن دحیہ کو کبار علماء حدیث نے کذاب، ناقابل اعتبار، غیر صحیح النسب، بے تکی اور فضول باتیں کرنے والا قرار دیا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۳/ ۱۳۷)

میلاد النبی کے ایجاد کرنے والوں کی یہ حقیقت ہے تو میلاد النبی منانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

محفل میلاد کی ابتداء اور دور حاضر میں اس کی کیفیت: محفلِ میلاد النبی صوفیوں، پیر نما شکم پرور علماء سوء کے ذریعہ رائج کردہ ایک بدعت ہے، شروع میں ایسا ہوتا کہ چند آدمی ایک جگہ جمع ہوتے، میلاد کا تذکرہ ہوتا کہ آپ ﷺ فلاں گھر میں، فلاں دن، فلاں تاریخ کو پیدا ہوئے، پھر آہستہ آہستہ قیام بھی شروع ہوا، جس میں کہا جانے لگا دم بدم پڑھو درود، حضرت بھی ہیں موجود، یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک، پھر چند منٹوں کے بعد اپنی محفلوں میں قیام کرنے لگے، پوچھا گیا تو کہنے لگے کہ اللہ کے نبی کی سواری آرہی ہے، ہم نبی کے استقبال کے لیے کھڑے ہیں۔ اس قیام کی اکثر علماء نے تردید کی اور اسی پہ کتابیں لکھی جانے لگی کہ آیا قیام جائز ہے یا نہیں۔

پھر ایک زمانہ آیا کہ یہ تمام چیزیں ختم ہوگئیں، مسجدوں میں بیٹھ کر ذکر رسول

کرنے والے بھی گئے۔ اب آہستہ آہستہ قوم مسلم بازاروں میں نکل آئی، ہری جھنڈیاں نظر آنے لگیں، پہلے تو ایسی ابتدا تھی کہ لوگ بازاروں میں جاتے، ذکر ہوتا، درود وسلام اور نعت پڑھتے اور چلے آتے۔ پھر ایک وقت آیا کہ یہ تمام چیزیں بھی گئیں، آج یہ قومِ مسلم اس اسٹیج پر آکھڑی ہے کہ طبلے آگئے، سارنگیاں آگئیں، جس کو آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا، مزامیر، ڈھول تاشے اور ناچ گانے آگئے جو کبھی رنڈیوں اور طوائفوں کا کردار تھا وہ آج مسلمانوں میں آگئے۔ حتی کہ ظلم کی انتہاء ہوگئی آج کچھ نام ونہاد مسلمان مصنوعی داڑھیاں لگا کر جلوس کرتے ہیں، بناوٹی داڑھیاں لگا کر ناچتے ہیں، مسلمانو! غور کرو اگر یہی داڑھی ایک غیر مسلم لگا تا تو فسادات عام ہوتے، لیکن فسادات اس لیے نہیں کہ آج یہی مصنوعی داڑھی ایک مسلمان ابی بن سلول کا لبادہ اوڑھ کر سنت کا مذاق اڑا رہا ہے، لیکن کوئی کچھ کہنے کے لیے تیار نہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ آج ہمارے معاشرے میں شریعت کا جنازہ اٹھایا جارہا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہل سنت اور عاشق رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ کس طرح دین مصطفی کا تمسخر اڑاتے ہیں انھیں حیاء بھی نہیں آتی، خدا کی قسم ایسا مذاق تو ابوجہل اور ابولہب نے بھی نہیں اڑایا تھا۔

یہ تمام کام کرتے ہوئے پھر بھی یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ ہم عاشق رسول ہیں۔ یہی نہیں ۱۲/ربیع الاول کو کہیں بیت اللہ بنایا گیا ہے تو کہیں حجر اسود رکھا گیا ہے کہیں مسجد نبوی بنائی گئی ہے تو کہیں روضۂ گنبد خضراء بنایا گیا ہے جس کا مرد اور عورتیں مل کر طواف کرتی ہیں اور روضۂ اور جالی بنائی گئی ہے جسے لوگ چومتے ہیں اور اس کا احترام کرتے ہیں، اور کہیں حضرت بلال اور دوسرے صحابہ کی شکلیں بنائی گئی ہیں۔

یہ لوگ محبت رسول کا عویٰ کرتے ہیں ہمارے نبی کی سیرت پاک یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں چیخا نہیں کرتے تھے آج ان کے علماء بازاروں میں ناچ رہے ہیں، گرمی ہے تو بوتلیں چڑھائی جارہی ہیں۔ ٹھنڈی ہے تو چائے نوشی کی جارہی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن پر کتنے محبت رسول کے دعویداروں نے روزہ رکھا اصل مقصد تو فوت ہے۔

آج کوئی صحیح العقیدہ شخص ان جلوسوں میں حاضر نہ رہے یا لوگوں کو ایسے ناجائز جلوسوں سے روکے اور انہیں آگاہ کرے تو طعنے دیے جاتے ہیں کہ فلاں کافر ہے وہ مشرک اور دشمن رسول اور غدار مصطفی ہے۔

لوگو! ذرا غور کرو یہ میلاد تو ساتویں صدی ہجری کی پیداوار ہے اور اس سے پہلے کسی نے جلوس نہیں نکالا، حضرت ابوبکر نے جلوس نہیں نکالا، حضرت عمر نے، حضرت عثمان اور حضرت علی اور ایک لاکھ چالیس ہزار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جلوس نہیں نکالا۔ کیا نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ یہ لوگ کافر تھے، اور آگے آیئے تمام ائمہ مجتہدین نے جلوس نہیں نکالا حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل نے جلوس نہیں نکالا، تمام محدثین نے جلوس نہیں نکالا، حضرت امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ نے جلوس نہیں نکالا اور آگے آیئے حضرت عبدالقادر جیلانی نے جلوس نہیں نکالا، شاہ اسماعیل شہید، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جلوس نہیں نکالا۔ کیا نعوذ باللہ یہ تمام کے تمام کافر، دشمن رسول، غدار مصطفی تھے۔ آج گویا تم ہم کو نہیں بلکہ پورے سلف صالحین کو، ائمہ محدثین کو، صحابۂ کرام کو گالیاں دے رہے ہو۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جو سلف کو گالیاں دے وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہوجاتا ہے۔

آج ہندوستان کے اندر اکثر فسادات انہیں ناجائز جلوسوں سے ہورہے ہیں۔ اللہ تعالی ہم تمام کو ایسے جلوسوں سے بچا کر صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

جشن میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سلف صالحین کی نظروں میں:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ مجموع الفتاویٰ میں فرماتے ہیں: یاد رہے کہ غیر مشروع عید اور تقریبات کا اہتمام کرنا مثلا بعض شبہات ربیع الاول کو زندہ رکھنا جنہیں شب میلاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یا اس طرح رجب کی متعین راتوں کی عبادات اور تقریبات کا اہتمام کرنا یا آٹھ شوال کا جسے نادان لوگ عید الابرار کے نام سے یاد کرتے ہیں جبکہ یہ تمام کام ایسی بدعات اور محدثات ہیں جن کو سلف نے ناجائز سمجھا اور نہ ہی کبھی عملا انجام دیا۔

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں رقمطراز ہیں: یقیناً یہ عید میلاد وغیرہ کا اہتمام سلف نے نہیں کیا حالانکہ ان کے زمانے میں اس سے کوئی مانع بھی نہیں تھا بلکہ امکانات میسر تھے۔ نیز فرمایا: اگر یہ خیر اور اچھائی کا کام ہوتا تو سلف خلف کے مقابلے زیادہ حریص اور عمل کے حقدار تھے کیوں کہ وہ ہمارے مقابل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واکرام میں نیز محبت میں زیادہ بلکہ یوں کہیں کہ ہر خیر میں زیادہ حریص تھے۔

اس کے علاوہ سلف صالحین کے اور بھی زیادہ اقوال ہیں جن میں انہوں نے جشن میلاد کو بدعات وخرافات میں شمار کیا ہے۔ اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ اللہ ہمیں ایسی بدعات سے بچا کر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع وفرمانبردار بنائے۔ آمین

☆☆☆

بموقع ۳۴ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس

تزکیہ نفس انسانیت کی مشکلات کا حل

محمد ہاشم فیضی سلفی

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ أجمعین وبعد وقال اللہ تعالی قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (سورۃ الاعلی: ۳۰)

مذہب اسلام کامل ومکمل اور ہمہ گیر مذہب ہے،اس کی آفاقیت مسلم ہے،اس کی وجہ صرف اورصرف یہی ہے کہ اس کے بیان کردہ مسائل واحکام میں انسان کی دنیوی واخروی کامرانی وکامیابی کاراز بھرپور پایاجاتاہے۔انسانی زندگی کے تمام شعبوں پربھرپورروشنی ڈالتاہے اس نے کسی گوشہ کوتشنہ نہیں چھوڑاہے وہ چاہتاہے کہ جس طرح انسان اپنی جسمانی ساخت اور خلقت کے اعتبار سے حسین وجمیل ہے۔لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْم (التین: ۳۰)ہم نے انسان کوسب سے بہترین سانچے میں ڈھالا ہے اسی طرح وہ فکرونظر، عقل وفہم ،نفسیاتی وباطنی طورسے بھی خوبصورت اور مستحکم ہوکرمعاشرے کا ایک مثالی آدمی بن جائے وہ خودبھی فلاح وبہبود کے ساحل سے ہمکنار ہواوراپنے علاوہ دوسروں کوبھی ساحل مراد سے ہمکنارکرے ایسااس وقت ہوسکتاہے جب آدمی آدمیت کا پتلا ہوجائے ،انسان اخلاق رذیلہ سے کوسوں دوررہتے ہوئے خصائل حمیدہ اورانسانیت کے پیکر میں ڈھل جائے اپنے مکرم اورمعزز ہونے کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اخلاقیات کا پیکر، صلاحیت وصالحیت کا مجسمہ اورایمان وعمل کی مکمل تصویرنظرآنے لگے اس لئے کہ ایک ابن آدم کودیکھا جارہاہے کہ شکل وصورت انسان کی ہے۔بہترین سے بہترین قیمتی اورفاخرہ لباس زیب تن کئے ہواہے،عمدہ سے عمدہ غذائیں کھارہاہے۔دنیاوی اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ اورمنصب پرفائز ہے ایک ہی ملک نہیں ہفت اقلیم کا مالک ہے ہزاروں پلٹنیں اس کے زیرفرماں ہیں لیکن ایک خدا کے بجائے سیکڑوں دیوی دیوتاؤں کے آگے اس کی یہ مقدس پیشانی خم ہوتی ہےاوروہ اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ عقل وفہم سے کام نہ لیتے ہوئے دردرکی ٹھوکریں کھاتا نظرآتاہے۔ظاہری اعتبارسے اپنے جسم وتن کومیل کچیل گردوغبارسے پاک وصاف رکھنے کے باوجودحتی کہ استنجاء کاپوراپوراخیال بھی ہے صرف ایمان کی دولت سے محروم ہونے کی وجہ سے ایسے جاہ وحشمت والے شخص کواللہ تعالیٰ انسانیت کی فہرست سے خارج کردیتاہے چنانچہ ارشادفرمایا''اولئك كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ''وہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہیں۔وہ شخص ایک لاکھ مرتبہ بھی کیوں نہ اپنے کوپاک اورطاہر ہونے کا دعوی کرے اس کے کپڑے اورلباسوں اورجسم وتن پہ پائے جانے والے قیمتی عطروں کی خوشبو باربارکیوں نہ اس کی پاکی،صفائی اورستھرائی کی شہادت دیں اس کوپروردگارعالم نے ناپاک کہہ کرپاک وصاف حسین وجمیل ہونے کے سارے دعوی کوباطل قراردیا۔فرمایا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ اورمشرک ناپاک ہی توہیں (توبہ آیت ۲۸) جاہ ومنصب ،خاندانی رعب ودبدبہ اگرکامیابی کا ضامن ہوتا توسب سے پہلے ابوطالب کواللہ تعالیٰ کامیاب بناتااس لئے کہ خاندان قریش میں ابوطالب کا بہت بڑامقام تھاخوبصورتی اوروجاہت انسان کی دنیوی اور اخروی فلاح وبہبود کے لئے کافی ہوتی توابولہب ذلت کی موت نہیں مرتالیکن وہی آدمی جب ایمان کے زیور سے آراستہ ہو، بتاں باطلہ کی پرستش سے دورہو، چہرے کے اعتبار سے خوبصورت، حسین اورجمیل نہ بھی ہو۔ بلال حبشیؓ جیسا کالاکلوٹا ہو،آزادنہ ہو،غلام ہو،زید بن حارثہ کا ہم وزن کیوں نہ ہو، دنیاوی جاہ وحشمت کی کوئی کرسی اس کے پاس نہ ہوتب بھی وہ ایک کامیاب انسان کہلاتاہے۔اللہ نے واضح الفاظ میں فرمایا''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ''(سورہ الاعلیٰ ۳۰)وہ شخص کامیاب ہوگیا جس نے پاکیزگی اختیارکی یعنی جنہوں نے اپنے نفس کو اخلاق رذیلہ سے اوردلوں کوشرک ومعصیت کی آلودگیوں سے پاک کرلیا(احسن البیان ص۱۴۰۲)دوسری جگہ ارشادفرمایا''وَنَفْسٍ وَّمَاسَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس پ۳۰)قسم ہے نفس کی اوراسے درست کرنے کی پھرسمجھ دی اس کو برائی کی اوراس سے بچ کرچلنے کی جس نے پاک کیاوہ کامیاب ہوگیااورجس نے اسے خاک میں ملادیاوہ ناکام ہوا۔وما سواھا کا ترجمہ اس طرح بھی کیا گیاہے اورجس نے اسے درست کیا،درست کرنے کا مطلب یہ ہے اسے متناسب الاعضاء بنایااوربے ڈھنگا نہیں بنایا۔

الہام کا مطلب: الہام کا مطلب یاتویہ ہے کہ انہیں اچھی طرح سمجھادیا اورانہیں انبیاءعلیہم السلام اورآسمانی کتابوں کےذریعہ سے خیروشر،نیکی وبدی کی پہچان کرادی یا مطلب یہ ہے کہ ان کی عقل اورفطرت میں خیروشر،نیکی اور بدی کا شعور ودیعت کردیاتاکہ وہ نیکی کواپنائیں اوربدی سے اجتناب کریں۔(احسن البیان)

اس کے بعد بھی: امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کی زباں میں ''زندگی کی تمام باتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان دوطرح کے انسان پائے جاتے ہیں،بعض طبیعتیں محتاط ہوتی ہیں،بعض بے پرواہ ہوتی ہیں۔جن کی طبیعت محتاط ہوتی ہے وہ ہربات میں سمجھ بوجھ کرقدم اٹھاتے ہیں۔اچھے برے،نفع نقصان ،نشیب وفراز کا خیال رکھتے ہیں۔جس بات میں برائی پاتے ہیں چھوڑدیتے ہیں،جس میں اچھائی دیکھتے ہیں اختیارکرلیتے ہیں۔اختیارکرلیتے ہیں۔برخلاف اس کے جولوگ بے پرواہ ہوتے ہیں ان کی طبیعتیں بے لگام اورچھوٹ ہوتی ہیں۔جوراہ دکھائی دے گی چل

پڑیں گے۔ جس کام کا خیال آجائے گا کر بیٹھیں گے۔ جو غذا سامنے آجائے گی کھالیں گے۔ جس بات پر اڑنا چاہیں گے اڑ بیٹھیں گے۔ اچھائی برائی، نفع نقصان، دلیل اور توجیہ کسی بات کی بھی انہیں پرواہ نہیں ہوتی۔

جس حالت کو ہم نے یہاں احتیاط سے تعبیر کیا ہے اسی کو قرآن ''تقویٰ'' سے تعبیر کرتا ہے ''متقی'' یعنی ایسا آدمی جو اپنے فکر و عمل میں بے پرواہ نہیں ہوتا، ہر بات کو درستگی کے ساتھ سمجھنے اور کرنے کی کھٹک رکھتا ہے برائی اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے اور اچھائی اور فائدے کی جستجو رکھتا ہے۔ قرآن کہتا ہے: ایسے ہی لوگ تعلیم حق سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کامیاب ہو سکتے ہیں'' ترجمان القرآن ج ۲، ص ۱-۲)

مشکلات: انسان کے راہ راست سے پھسل جانے کی وجہ سے اور سب سے بنیادی اور اساسی بات یہ ہے۔ شیطان لعین حضرت انسان کے خلاف ہمیشہ ناپاک سازش میں ہے اس کو یہ ضد ہے کہ مجھے جنت سے نکلوانے کا سبب یہی انسان ہے لہٰذا اسے بھی جنت میں نہیں جانے دوں گا اس حقیقت سے رب العالمین نے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ'' (یوسف:٥) بلاشبہ شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے وہ کہتا ہے والا۔ میں ان کے اوپر برائیوں کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا رہوں گا یَعِدُهُمْ وَ یُمَنِّیْهِمْ وہ وعدے کرتا ہے اور تمنائیں دلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے باوجود وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ میں نے جن و انس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ عقل و شعور سے کام نہ لیتے ہوئے انسان اپنے مقصد تخلیق کو نہیں سمجھ پاتا تو اس کے سامنے مشکلات کا انبار ہوتا ہے۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھ لینے کے بعد جب انسان نے معبودان باطلہ کی نفی کردی تو اب نہ اسے کسی لات کسی ہبل یا کسی مٹی کے ڈھیر یا کسی شجر و حجر کے سامنے اپنی مقدس پیشانی کو جھکانا ہے بلکہ اس کی ہر ضرورت کا حاجت روا، مشکل کشا صرف اور صرف ایک ذات واحد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس پر وہ ثابت قدم رہ گیا تو فرمان الٰہی قد افلح من تزکی اور فرمان نبوی من قال لا اله الا الله دخل الجنة کے مطابق کامیاب ہوگیا۔

اگر وہ تزکیہ اختیار نہیں کرتا یا ایمان لانے کے بعد وہ پھر ارتداد اختیار کر لیتا ہے تو اس کی دنیا بھی خراب اور آخرت بھی خراب ہو جاتی ہے۔ حالت کفر میں رہتے ہوئے اسلام کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہے تب بھی اور مرتد ہوجاتا ہے تب بھی اسی دنیا میں قتل کیا جاتا ہے اور اس کی آخرت بھی خراب ہوتی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ (البینة: ٣٠) اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کفر کئے وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنمی ہیں اور مخلوق میں سب سے بدترین لوگ ہیں۔

اور اگر خلوص و للّٰہیت کے ساتھ دل و جان سے تزکیہ نہیں اختیار کرتا ہے اس صورت میں اس سے ایسے اعمال سرزد ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ مشرک ہی رہتا ہے۔ غور کیجئے یا علی یا حسین یا شاہ عبدالقادر جیلانی المدد کہنے والے اپنے مسلمان ہونے کے دعوے سے ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہیں یہ لوگ چاہے اپنی مسلمانیت کا جتنی بار بھی دعوی کریں کلام الٰہی نے ان کے بارے میں دوٹوک فیصلہ دیدیا وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (یوسف:١٠٦)

زیر نظر مضمون ''تزکیہ نفس انسانیت کی مشکلات کا حل'' اس بات کا متقاضی ہے کہ لفظ تزکیہ کے متعلق الگ اور نفس کے متعلق الگ بحث ہو نیز یہ بتایا جائے کہ انسانیت کے مشکلات کیا ہیں۔ تو آئیے سب سے پہلے تزکیہ کے لفظی و اصطلاحی مفہوم کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

تزکیہ: باب تفعیل سے زکّی یزکّی الشئی کا لغوی معنی بڑھانا، پاک وصاف کرنا، اصلاح کرنا، نیک بنانا، زکی نفسہ خودستائی کرنا، اپنی تعریف کرنا، اپنے کو پاک وصاف بنانا (القاموس الوحید)

اصطلاح میں تزکیہ کا مفہوم: نفس کو غلط رجحانات ومیلانات سے موڑ کر نیکی اور خداترسی کے راستے پر ڈال دینا اور اس کو درجہ کمال پر پہنچنے کے لائق بنانا ہے۔

نفس کیا ہے: انسان کے جسد خاکی میں معصیت کا گہرا شعور رکھنے والی اور اس سے بچنے (اجتناب) کے طریقوں سے بھی آگاہ رہنے والی ایک فعال، متحرک اور خود مختار قوت حاکمہ ہوتی ہے۔ جو انسان کو بداعمالی اور گناہ پر اکساتی ہے اور اس سے بچاؤ کے طریقے بھی سجھاتی ہے نیز کبھی کسی بدکرداری کے ظہور پر لعنت و ملامت بھی کرتی ہے وہ متضاد داخلی کیفیات کی حامل ہوتی ہے کبھی معصیتوں بداعمالیوں کا اصل منبع ہوا کرتی ہے اور کبھی حسنات واعمال صالحہ کے لئے داعی ومحرک ہو کر رشد و خیر کے لئے بنیادی سرچشمہ بن جاتی ہے بالفاظ دیگر وہ روح اور جسم کے درمیاں ایک پل کا کام دیتی ہے یہی قوت حاکمہ نفس (Self) کہلاتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ونفس وماسواہا میں بیان کیا ہے۔

نفس کا معنی: لغت میں نفس کے مختلف معنی وارد ہوئے ہیں مگر قابل ذکر چند ہیں۔ جان، روح، ذات، شخصیت، حقیقت امر۔ مگر اصطلاحا نفس وہ شے ہے جو انسان کے اندر غضب اور خواہش وشہوات کی جامع ہو۔

تزکیہ نفس کا ھدف: تزکیہ کا مطمح نظر صرف اس قدر نہیں ہے کہ ہمارا نفس کسی نہ کسی شکل میں ٹھیک راہ پر لگ جائے بلکہ تزکیہ اس سے بڑھ کر نفس کو بہتر سے بہتر بنانے کی جدوجہد کرتا ہے۔ تزکیہ صرف اتنا ہی نہیں چاہتا ہے کہ ہمیں اللہ اور اس کی شریعت کا کچھ علم حاصل ہوجائے بلکہ وہ اس سے بڑھ کر یہ بھی چاہتا ہے کہ ہمیں خدا اور اس کی صفات کی سچی اور پکی معرفت حاصل ہوجائے۔ تزکیہ صرف یہی نہیں پیش نظر رکھتا ہے کہ ہماری عادتیں کسی حد تک سنور جائیں بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ہم تمام مکارم اخلاق کے پیکر اور مجسم بن جائیں۔ تزکیہ صرف اتنے ہی پر قناعت نہیں کرتا کہ ہمارے جذبات میں ایک ہم آہنگی رابطہ پیدا ہوجائے بلکہ وہ اس پر مزید ہمارے

جذبات کے اندر رقت ولطافت اور سوز وگداز کی مٹھاس بھی دیکھنا چاہتا ہے اس کا اصلی مطالبہ یہ ہے کہ ہمارا نفس اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو اس طرح بجالائے جس طرح اس کے بجالانے کا حق ہے اس کا مطالبہ ہم سے صرف اللہ کی بندگی ہی کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس بات کے لئے ہوتا ہے کہ ہم اللہ کی اس طرح بندگی کریں گویا ہم اسے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مختصر الفاظ میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ تزکیہ ایمان، اسلام اور احسان تینوں کے تقاضے بیک وقت ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے اللہ کو اس کی تمام صفتوں کے ساتھ مانیں پھر وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ہم اس کے تمام احکام کی زندگی کے ہر گوشہ میں اطاعت کریں اور پھر اس کا مطالبہ ہم سے یہ بھی ہے کہ یہ ماننا اور اطاعت کرنا محض رسمی اور ظاہری طریقہ پر نہ ہو بلکہ پورے شعور وآگہی اور گہری للّٰہیت کے ساتھ ہو جس میں ہمارے اعضاء وجوارح کے ساتھ ہمارا دل بھی پورا پورا شریک ہو یعنی ایمان لانے کے بعد خواہش اللہ ورسول کے احکام کا مکمل تابع وفرماں بردار ہوجائے لایؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہوجائے۔

نماز پڑھ رہا ہے لیکن دل میں ہے کہ لوگ مجھے نمازی کہیں یہ کیفیت دل کی نہ ہو ورنہ ایمان لانا کسی کام کا نہیں ''فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ان نمازیوں کے لئے جہنم ہے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں اور دکھاوے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔ (ماعون: ۳۰)'' من صلی یرائی فقد اشرك'' جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا (ابوداؤد) اللہ تعالیٰ صرف ایک ناحیہ سے انسان کو پاک صاف دیکھنا نہیں چاہتا بلکہ مال دیا ہے تو مال کے اعتبار سے بھی ایک مومن پوری طرح پاک ہو فرمایا: وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى (اللیل) عنقریب اس (جہنم) سے وہ متقی اور پرہیزگار بچ جائے گا جو اپنا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہے تاکہ اپنے کو پاک کرے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں بہت سے مفسرین نے کہا ہے یہ آیتیں ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں بعض مفسرین نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان نیک لوگوں میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں جن کی صفات ان آیات میں بیان کی گئی ہیں اس لئے کہ وہ صدیق تھے، تقی تھے، کریم تھے اور اپنا مال اپنے رب کی خوشنودی اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت وتائید کے لئے خرچ کرتے تھے۔ انہوں نے محض اپنے رب کریم کی رضا کی خاطر بہت سارے اموال خرچ کئے (تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن) ایک شخص جسمانی عبادات اور مالی عبادات میں کامل ترین نظر آتا ہے لیکن اس کی آمدنی میں یہ احتیاط نہیں ہے کہ وہ حلال ہے یا حرام تو اس کی ساری عبادتوں کا تاج محل مسمار ہوکے رہ جائے گا عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ايها الناس ان الله طيب لا يقبل الا طيبا وان الله امر المومنين بما امر به المرسلين فقال يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ' (المنون:۵۱)
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (البقرہ:۱۷۲)

ثم ذكر الرجل يطيل السفر اشعث اغبر يمد يديه الى السماء يا رب يا رب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذى بالحرام فانى يستجاب له (مسلم كتاب الزكوة باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها) ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ''اے لوگو! بلاشبہ اللہ پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسی کا حکم دیا ہے جس کا حکم رسولوں کو دیا (مومنوں ۵۱) اور کہا اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی پاک روزی میں سے کھاؤ (بقرہ ۱۷۲)

پھر ذکر کیا ایسے مرد کا جو لمبے لمبے سفر کرتا ہے اور گرد وغبار میں بھرا ہے اور پھر آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتا ہے اور کہتا ہے اے رب اے رب حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے اور اس کا پینا حرام ہے اور اس کا لباس حرام ہے اور اس کی پرورش حرام سے ہوئی ہے تو پھر دعا کیونکر قبول ہو۔ معلوم ہوا کہ زکوۃ کی ادائیگی کرکے مال کو پاک کرنا ہی کرنا ہے اگر صاحب نصاب نہیں ہے تو بھی اس کی جو بھی کمائی ہو وہ چوری، ڈکیتی رشوت اور غصب کے راستے سے نہ ہو۔

دل کی پاکیزگی کے ساتھ تن بدن کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کو خطاب فرمایا۔ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ اے نبی اپنے کپڑوں کو پاک کریں۔

آپ ﷺ نے جمعہ کے تعلق سے ارشاد فرمایا: غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم ہر بالغ پر غسل جمعہ فرض ہے۔ نماز جیسے اہم فریضے کی ادائیگی کے لیے نماز سے پہلے وضوء کو فرض قرار دیا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اے ایمان والو! جب نماز کے لئے کھڑا ہوؤ (تیار ہوؤ) تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور دونوں ٹخنے تک اپنے پیروں کو دھولو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا يقبل الله صلوة احدكم اذا احدث حتى يتوضا اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی نماز قبول نہیں فرماتے جبکہ وہ بے وضوء ہوجائے تاوقتیکہ وہ وضوء نہ کرے (بخاری ۱۳۵۔ ابوداؤد ۶۰، ترمذی ۷۶۔ احمد ۲۔ ۳۰۸ ابن خزیمہ ۱۔ الفقہ الحدیث ۳۴۵)

تزکیہ کے حصول کے لئے خود انسان کے اندر طلب ہو، رہنمائی نبی ﷺ کی ہو کسی پیر، فقیر کی نہیں۔ نبی ﷺ نے دعا فرمائی۔ اللهم اعط نفسي تقوها وزكها انت خير من زكاها۔ انت وليها ومولها نبی ﷺ کی رہنمائی کے ذریعہ تزکیہ نفس کیا جاسکتا ہے ورنہ گمراہی کا شکار بھی ہونا پڑسکتا ہے۔ عبداللہ بن عمروؓ

نے کہا کہ میں بلاناغہ روزانہ روزہ رکھوں گا۔ روزانہ رات میں قیام کروں گا۔ آپ ﷺ کومعلوم ہوتے ہی پہنچ گئے پوچھا کیا ایسا ایسا کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ کہاہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو تمہاری آنکھیں اندر چلی جائیں گی'' (بخاری مسلم)

اصل مزکی اللہ تعالیٰ ہی ہے: ارشاد فرمایا: بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ

نبی ﷺ کی رہنمائی ہو چنانچہ ارشاد ربانی ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (١٦٤ آل عمران)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (البقرہ:١٢٩) ایک جگہ فرمایا: كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

خلاصہ یہ کہ ایمان کی دولت ملنے کے بعد انسان کی یہ کیفیت ہو جائے کہ وہ ہمیشہ یہی کہتا رہے رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا ورسولا (۱) توبہ واستغفار (۲) نیک لوگوں کی صحبت (۳) نمازوں یعنی فرائض ونوافل کا اہتمام (۴) کثرت ذکر (۵) قرآن کے بیان کردہ حقائق پر غور وخوض (۶) مراقبہ ومحاسبہ (۷) صوم کے ذریعہ کسر شہوات (۸) اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کا احساس کرتے ہوئے دل میں خوف پیدا کرنا (۹) صالحین وفاسقین کے انجام سے عبرت حاصل کرنا (۱۰) اللہ تعالیٰ سے نفس کی پاکی کے لئے دعا کرنا، ان کے ذریعہ تزکیہ نفس کیا جاسکتا ہے۔ تزکیہ کے اس عمل میں کوئی وقفہ یا ٹھہراؤ نہیں ہے اس سفر میں کوئی موڑ یا مقام ایسا نہیں آتا ہے جہاں پہنچ کر یہ کہہ دیا جائے کہ یہ آخری منزل ہے۔ یہ بہتر سے بہتر کی تلاش وجستجو ہے اس جستجو میں نگاہ کو کہیں ٹھہرنے کی جگہ نہیں ملتی۔ جس رفتار سے اعمال واخلاق، ظاہر وباطن میں جلا پیدا ہوتا جاتا ہے اسی رفتار سے مذاق کی نظافت، حسن کی ذکاوت اور آنکھوں کی بصارت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ تزکیہ کے انہیں اہداف کی ترجمانی کرتی ہیں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات

(۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (بقرہ:٢٠٨)

(۳) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران:١٠٢)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیہ (غلط عقائد واعمال سے اپنے کو پاک کرنے) تحلیہ (صحیح عقائد واعمال اور اخلاق حمیدہ کے زیور سے آراستہ کرنے) کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ☆☆

اہل حدیث ریلیف فنڈ

سیلاب زدگان کے لیے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی

ہمدردانہ اپیل

کیرالہ میں سیلاب کی وجہ سے لاکھوں افراد اپنا گھر بار چھوڑ کر عارضی کیمپوں میں پناہ گزیں ہیں اس کے علاوہ دوسرے بعض صوبے بھی سیلاب سے متاثر ہیں۔ جن کی مدد کرنا ہمارا دینی، ملی، وانسانی فریضہ ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اپنی قدیم تاریخی روایت کے مطابق بے گھر اور اجڑے ہوئے افراد کے لیے ریلیف وراحت کا کام کر رہی ہے۔

تمام اصحاب خیر اور صاحب ثروت حضرات سے اپیل ہے کہ حسب استطاعت سیلاب زدگان اور انتہائی مصیبت میں پھنسے لوگوں کی اعانت میں حصہ لے کر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اپنی تمام ذیلی شاخوں سے بھی اپیل کرتی ہے کہ خصوصی توجہ فرمائیں۔

نوٹ: چیک اور ڈرافٹ مندرجہ ذیل کے نام ہی بنوائیں۔ اور بھیجی ہوئی رقم کی مدات کی وضاحت فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind,

A/c 629201058685, ICICI Bank (Chandni Chowk Branch.RTGS/NEFT IFSC Code-ICICI0006292

اپیل کنندگان: اراکین مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند 4116، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔۶

Ph: 011-23273407, 9810793930, 9810162108

امت محمدیہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

ڈاکٹر امان اللہ محمد اسماعیل مدنی
مدرس مسجد نبوی شریف

شریعتِ اسلامیہ ایک کامل ومکمل شریعت ہے، اس شریعت کے متبعین پر واجب وضروری ہے کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق زندگی گزاریں، اسی عمل کی ادائیگی ان کے لئے لائق وزیبا ہے جس کا ثبوت قرآن کریم یا سنتِ صحیحہ سے ہو، ہر وہ عمل باطل و بے بنیاد ہے جو شریعت اسلامیہ کے خلاف ہو، لہٰذا ایک پکا سچا اسلام کے پیروکار کے لئے ضروری ہیکہ وہ وہی عمل انجام دے جس کا ثبوت صحیح دلیل کی روشنی میں ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالی کی جانب سے مبعوث کئے جانے والے بے شمار انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام میں سب سے افضل وآخری نبی ورسول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہم تمام امتِ اسلامیہ کے لئے باعث عزت وتکریم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں لیکن افضلیت میں تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام پر فائق ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی سب سے آخری، لیکن سب سے افضل امت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت بہت ہی عظیم ہے، اللہ تبارک وتعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار صفات وخصائص سے سرفراز فرمایا ہے۔

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امتِ محمدیہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سارے حقوق ہیں، جن کا پاس ولحاظ رکھنا ہر امتی پر فرض ہے۔

اصل موضوع سے قبل قرآن وسنتِ صحیحہ کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند حقوق بالاختصار ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو بخوبی جان سکیں اور کما حقہ ان حقوق کی ادائیگی کرسکیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی پر مندرجہ ذیل اہم حقوق ہیں:

۱-آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا: ہر مسلمان پر ضروری ہیکہ وہ تمام انبیاء ورسل پر ایمان لائے، کیونکہ تمام انبیاء ورسل پر ایمان لانا ایمان کا ایک رکن ہے، بالخصوص اللہ کے آخری نبی وپیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا واجب وضروی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر دائرہ اسلام میں داخل ہو ہی نہیں سکتا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی مکمل تصدیق ہو، اس بات پر یقینِ کامل ہو کہ اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثقلین کی طرف آخری نبی ورسول بنا کر مبعوث فرمایا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امور کی خبر دی ہے ان تمام امور کی تصدیق کرنا، ان کے مطابق اپنے عقیدہ کو بنانا، آپ کی پاکیزہ سنتوں کی اتباع وپیروی کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں شامل ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: "فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِی أَنزَلنَا وَاللَّهُ بِمَا تعمَلُونَ خَبِیر"[التغابن:۸]۔

ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے، تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے: "فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِیِّ الأُمِّیِّ الَّذِی یُؤمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُم تهتَدُونَ" [العراف:۱۵۸]۔

ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول (جو نبی امی ہیں) پر ایمان لے آؤ جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں، اور اسی کی اتباع کرو تاکہ تم راہ راست پر ہو جاؤ۔

۲-آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وپیروی کرنا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وپیروی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور سنت کے مطابق زندگی گزارنا ہم تمام امتی پر واجب وضروری ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُم عَنهُ فَانتَهُوا"[الحشر:۷]۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو کچھ دیں اسے لے لو اور جن چیزوں سے روکیں ان سے رک جاؤ۔

اور ان لوگوں کیلئے سخت وعید ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وپیروی نہیں کرتے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: "فَلیَحذَرِ الَّذِینَ یُخَالِفُونَ عَن أَمرِهِ أَن تُصِیبَهُم فِتنَةٌ أَو یُصِیبَهُم عَذَابٌ أَلِیم"[النور:۶۳]۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وپیروی میں یہ چیز سب سے اہم ہیکہ آپ کے قول وفعل پر کسی کے قول وفعل کو مطلقا ترجیح نہ دیا جائے، اور "کل یؤخذ قوله ویرد" کا شرعی فارمولہ ہمیشہ ہماری نگاہوں کے سامنے میں رہنا چاہئے۔

۳-آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی پر یہ حق ہے کہ امتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر چیز سے زیادہ محبت کرے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: "قُل إِن كَانَ آبَاؤُكُم وَأَبنَاؤُكُم وَإِخوَانُكُم وَأَزوَاجُكُم وَعَشِیرَتُكُم وَأَموَالٌ اقتَرَفتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخشَونَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرضَونَهَا أَحَبَّ إِلَیكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِی سَبِیلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ یَأتِیَ اللَّهُ بِأَمرِهِ وَاللَّهُ لا یَهدِی القَومَ الفَاسِقِینَ" [التوبة:٢٤]۔

ترجمہ: آپ کہہ دیں: اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، خاندان، مال ودولت جسے تم نے کمائے ہیں، تجارت جس کے مندا پڑنے کا تمہیں خوف ہوتا ہے اور

مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو یہ سب تمہیں اللہ، اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالی اپنا حکم بھیج دے، اللہ تعالی فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اور اس مسئلہ کو مزید سمجھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث »لا يُؤمِنُ أَحَدُكُم، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيهِ مِن وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجمَعِينَ« [صحیح بخاری حدیث: ۱۵] کافی اہم ہے۔

۴-آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی پر ایک عظیم حق یہ ہیکہ امتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کثرت سے پڑھے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: "إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيهِ وَسَلِّمُوا تَسلِيمًا" [الاحزاب:۵۶]۔

لہٰذا ایک متبع سنت کو چاہئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دورد وسلام پڑھتا رہے، بالخصوص نبی کا ذکر ہوتے ہی نبی پر درود پڑھے، شریعت کی رو سے وہ شخص بخیل ہے جس کے پاس نبی کا ذکر ہوا اور وہ نبی پر درود نہ پڑھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: »البخيل الذى من ذكرت عنده فلم يصل علي«: [سنن الترمذی حدیث: ۳۵۴۶]۔

اس جگہ ایک اہم نقطہ کی طرف اشارہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے میں درود وسلام کے وہی صیغے اختیار کرنا افضل ہے جو صیغے صحیح احادیث سے ثابت ہیں، اسی طرح درود وسلام پڑھنے میں سلف صالحین کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔

۵-آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت واحترام کرنا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی پر ایک اہم حق یہ ہیکہ امتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتوقیر کرے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: لِّتُؤمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكرَةً وَأَصِيلًا [الفتح:۹]۔

ترجمہ: تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرو، اور ان کا ادب کرو، اور صبح وشام اللہ کی عبادت کرو۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی پر چند حقوق ہیں جن کا پاس ولحاظ ہم امتی پر واجب وضروری ہے، لیکن افسوس صد افسوس کہ آج مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ ایسے اعمال کو مشروع قرار دیا ہے جن کا شریعت اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کرنا جائز ودرست نہیں ہیں۔

آئیں ذیل میں چند ایسے اعمال کی نشاندہی کی جارہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کئے جاتے ہیں، لیکن شریعت اسلامیہ سے ان اعمال کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے:

اولا: جشن عید میلاد النبی کا اہتمام: آج بہت سارے مسلمان ۱۲ ربیع الاول کو جشن عید میلاد النبی کا بہت دھوم دھام سے اہتمام کرتے ہیں، اور اس دوران بہت سارے ایسے اعمال بھی انجام دیتے ہیں جو ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے لئے مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر کسی بھی اعتبار جائز ودرست نہیں ہے:

اولا: اس میں اتفاق ہیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کے دن ماہ ربیع الاول میں پیدا ہوئے، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: » وَسُئِلَ عَن صَومِ يَومِ الاثنَينِ؟ قَالَ: »ذَاكَ يَومٌ وُلِدتُ فِيهِ، وَيَومٌ بُعِثتُ – أَو أُنزِلَ عَلَيَّ فِيهِ « [صحیح مسلم حدیث: ۱۱۶۲]۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوموار کے روزے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اسی دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن میں مبعوث کیا گیا ہوں یا مجھ پر نازل کیا گیا۔

لیکن کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے؟ اس سلسلے میں علماء محققین اہل سیر کے درمیان سخت اختلاف ہے، لہٰذا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش کے بارے میں قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول ہی کو پیدا ہوئے، اس لئے ۱۲ ربیع الاول کو جشن عید ملاد النبی منانا تاریخی پس منظر سے قطعی طور پر ثابت وصحیح نہیں ہے

ثانیا: اسی طرح شرعی اعتبار سے بھی جشن عید میلاد النبی منانا جائز ودرست نہیں ہے، ذیل میں کچھ اہم نکات بیان کئے جارہے ہیں، ان پر غور کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائیگی کہ جشن عید میلاد النبی منانا کسی بھی اعتبار سے جائز ودرست نہیں ہے:

۱-جشن عید میلاد النبی سے متعلق شریعت اسلامیہ میں کوئی اصل موجود نہیں ہے، اور نہ ہی اس کا ذکر قرآن وسنت میں موجود ہے۔

۲-اگر جشن عید میلاد النبی مشروع ومستحب عمل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ضرور مناتے یا اسے منانے کا حکم دیتے۔

۳-شریعت اسلامیہ میں اس کا ذکر نہ ہونے کے باوجود اگر منایا جائے تو یہ بات لازم آئیگی کہ کوئی ایسا کام ثواب کی نیت سے کرنا جائز نہیں ہے جس کا ذکر قرآن وحدیث میں نہ ہو، جبکہ یہ بات قرآن وحدیث اور اہل اسلام کے اصول وقواعد کے خلاف ہے۔

۴-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دین مکمل ہو چکا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: " اليَومَ أَكمَلتُ لَكُم دِينَكُم وَأَتمَمتُ عَلَيكُم نِعمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسلَامَ دِينًا" [المائدۃ:۳]۔

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری

کردی اوراسلام کوبطور دین تمہارے لئے پسند فرمایا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دینِ اسلام کامل ومکمل ہو چکا اور دینِ اسلام میں جشن عید میلاد النبی کا کوئی تصور نہیں ہے تو معلوم ہو جانا چاہئے کو جشن عید میلاد النبی کا اہتمام جائز ودرست نہیں ہے۔

۵- جولوگ عید میلاد نبی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم یہ کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اوران کی محبت میں کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ومحبت مطلوب امر ہے، تواس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اگر عید میلاد نبی منانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ومحبت ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین عظام ضرور مناتے، کیونکہ صحابہ وتابعین ہر اچھے کام میں سبقت کرتے تھے، صحابہ کرام اور تابعین عظام کا یہ عمل انجام نہ دینا اس بات پر واضح دلیل ہے کہ جشن عید میلاد النبی منانا بطور تعظیم ومحبت ہی سہی جائز ودرست نہیں۔

۶- تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عید میلاد نبی منانے کا رواج قرونِ مفضلہ کے بعد ہوا، یعنی اس عمل کا وجود صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے زمانے میں نہیں تھا، اور ہر اس عمل کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے جس کا وجود قرونِ مفضلہ کے بعد ہوا ہو۔

۷- جشن عید میلاد النبی اس لئے بھی صحیح نہیں ہے کہ اس دن محبت وتعظیم کے نام پر ایسے اعمال انجام دئے جاتے ہیں جو غلط ومنکر ہونے کے ساتھ ساتھ شریعتِ اسلامیہ سے متصادم بھی ہیں۔

۸- جشن عید میلاد النبی منانا تمام مؤقر ومعزز علماء اجلاء کے نزدیک بدعت ہے۔

۹- جشن عید میلاد النبی منانا اس لئے بھی صحیح نہیں ہیکہ اسی دن باتفاق اہلِ سیر ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، اور انتقال کے دن خوشی منانا عقلِ سلیم کے خلاف ہے۔

معلوم ہوا کہ جشن عید میلاد النبی کا شریعت مطہرہ سے ذرہ برابر کوئی تعلق نہیں ہے، اور اس عمل کا قرآن وحدیث میں ذکر نہ ہونا اور صحابہ وتابعین کا اس پر عمل نہ کرنا اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ یہ عمل بدعت ہے، لہٰذا مسلمانوں کو اس عمل سے باز آجانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

ثانیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن خوانی کرنا: آج بعض مسلمان ایک نئی چیز کو رواج دے چکے ہیں وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قرآن خوانی کا اہتمام کرتے ہیں، اس اعتقاد کے ساتھ کہ اس کا ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتا ہے، بسا اوقات اس کے لئے خاص دن اور خاص مہینے کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے، اس کام کیلئے اعلان کیا جاتا ہے، اس عمل میں مرد وعورت سب شریک ہوتے ہیں، لیکن شریعت مطہرہ پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل جائز ودرست نہیں ہے، بلکہ واضح بدعت ہے۔

ابن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح دوسروں کے لئے قرآن خوانی کرنا اور اس کا ثواب ان کے ارواح تک پہنچانے کا حکم کیا ہے؟

تو ابن باز رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا: **إهداء قراءة القرآن الكريم لروح الرسول صلى الله عليه وسلم والأموات لا أصل له وليس بمشروع، ولا فعله الصحابة رضي الله عنهم، والخير في اتباعهم، ولأن الرسول صلى الله عليه وسلم يعطى مثل أجورنا عما فعلناه من الخير فله مثل أجورنا؛ لأنه الدال عليه، عليه الصلاة والسلام، وقد قال عليه الصلاة والسلام: »من دل على خير فله مثل أجر فاعله« فهو الذي دل أمته على الخير وأرشدهم إليه، فإذا قرأ الإنسان أو صلى أو صام أو تصدق، فالرسول يعطى مثل أجور هؤلاء من أمته؛ لأنه هو الذي دلهم على الخير وأرشدهم إليه عليه الصلاة والسلام، فلا حاجة به إلى أن تهدى له القراءة أو غيرها؛ لأن ذلك ليس له أصل، كما تقدم، وقد قال صلى الله عليه وسلم: »من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد« وهكذا القراءة للأموات أيضا ليس لها أصل والواجب ترك ذلك.** [مجموع فتاوى ابن باز ۱۲/۲۷۸]۔

ابن باز رحمہ اللہ کے جواب کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

☆ اس عمل کی کوئی اصل شریعت میں موجود نہیں ہے، لہٰذا یہ عمل غیر مشروع ہے۔

☆ یہ عمل صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے، جبکہ ہر طرح کی خیر صحابہ کی اتباع وپیروی ہی میں مضمر ہے۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن خوانی کی ضرورت اس لئے بھی نہیں ہے کہ ہم امتی جو بھی عمل کرتے ہیں اس کا اجر وثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتا رہتا ہے، کیونکہ آپ ہی نے ہمیں ہر طرح کے کار خیر کی رہنمائی کی ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: إن الدال على الخير كفاعله «[سنن الترمذی حدیث: ۲۶۷۰، اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے حسن صحیح قرار دیا ہے]۔

☆ چونکہ یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: »مَن عَمِلَ عَمَلًا لَيسَ عَلَيهِ أَمرُنَا فَهُوَ رَدٌّ « [صحیح مسلم حدیث: ۱۷۱۸] یعنی اگر ہم کوئی ایسا عمل کریں جس کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہو تو وہ عمل مردود ہے، اس لئے یہ عمل صحیح نہیں ہے۔

ان تمام تر امور سے یہ معلوم ہوا کہ ایصال ثواب کی نیت سے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے لئے قرآن خوانی کرنا جائز ودرست عمل نہیں ہے، بلکہ یہ عمل بھی بدعت کے زمرے میں آتا ہے۔

ثالثا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حج وعمرہ ادا کرنا:

صحیح اور راجح قول کے مطابق حج وعمرہ بدل میت کی جانب سے مطلقا جائز ہے، لیکن زندہ کی جانب سے جواز وعدم جواز میں تفصیل ہے۔

لیکن کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حج یا عمرہ ادا کیا جا سکتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتِ محمدیہ پر بہت سارے حقوق ہیں، جن کا ذکر قرآن اور سنتِ صحیحہ میں وارد ہے، لہٰذا ایک مسلمان کیلئے ان حقوق کی بجا آوری ضروری ہے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں حج و عمرہ کا ذکر کسی بھی صحیح دلیل سے نہیں ملتا، بلکہ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اور نہ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے امتی کو حج یا عمرہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اور نہ ہی صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ پیار ومحبت کے باوجود کبھی بھی آپ کے لئے حج یا عمرہ ادا کئے ہیں، اور نہ ہی سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حج یا عمرہ ادا کرنا مناسب عمل ہوتا تو ہمارے سلف صالحین سے یہ عمل ضرور ثابت ہوتا۔

لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے امتی کا حج یا عمرہ کرنا کسی بھی اعتبار سے جائز عمل نہیں ہے، یہی فتوی شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا ہے، شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: " أما إهداء ثواب العبادات إلى النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم، فإن هذا أيضاً من البدع، فإنه لا يشرع لنا أن نهدي شيئاً من ثواب العبادات إلى رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم ؛ لأن ذلك لم يعهد من الصحابة رضي الله عنهم وهم أشد منا حباً لرسول الله صلى الله عليه وسلم وأسرع منا إلى الخير ومع ذلك فلم يهد أبو بكر ولا عمر ولا عثمان ولا علي رضي الله عنهم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئاً من العبادات، لا من قرائة القرآن ولا من الذكر ولا من الصلاة ولا من الصدقة ولا من الحج ولا من العمرة، وأيضاً فإن إهداء ذلك إلى الرسول عليه الصلاة والسلام من السفه لأن النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم قد حصل له أجر ما عمل الإنسان فإنه هو الدال على الخير ومن دل على خير فكفاعله فلم يكن من إهداء ثواب القرب إلى الرسول عليه الصلاة والسلام إلا حرمان الفاعل من أجر هذه العبادة، وعلى الإنسان أن يتمسك بهذه المسألة فإنه الخير كله" [فتاوى نور على الدرب ابن عثيمين ٩/٢].

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کے قول کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

☆ عبادتوں کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچانا بدعت ہے۔

☆ یہ چیز شریعت سے ثابت نہیں ہے۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم سے کہیں زیادہ محبت کرتے تھے اس کے باوجود ان سے یہ عمل ثابت نہیں ہے۔

☆ بالخصوص خلفاء راشدین ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی یہ عمل ثابت نہیں ہے۔

☆ قرآن کریم کی تلاوت، ذکر، نماز، صدقہ اور حج وعمرہ کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچانا صحیح عمل نہیں ہے۔

☆ متنوع قسم کی عبادتوں کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچانا بیوقوفی ہے، کیونکہ امتی کے ہر ہر عمل صالح کا ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی امتی کو ہر خیر کا راستہ دکھایا ہے۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عبادتیں انجام دینے سے عبادت کرنے والا اس عمل کے اجر وثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہاں ایک چیز کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ صحابی رسول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عمرہ کرتے تھے، لیکن محققین کے نزدیک عبداللہ بن عمر کے اس عمل کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اس لئے عدم ثبوت کی وجہ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حج یا عمرہ ادا کرنا صحیح ودرست عمل نہیں ہے، اور شریعتِ اسلامیہ میں اس کا کوئی تصور نہ ہونے کی وجہ سے دوسری بدعتوں کی طرح یہ بھی ایک واضح بدعت ہے۔

رابعا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قربانی کرنا:

قربانی ایک مہتم بالشان عبادت ہے، البتہ میت کی جانب سے قربانی کرنے کے سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، صحیح قول کے مطابق اگر میت نے قربانی کی وصیت نہ کی ہو تو اس کے لئے قربانی نہیں کرنا چاہئے، البتہ اپنی قربانی میں میت کی بھی نیت کی جا سکتی ہے، لیکن آج بہت سارے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مستقل طور پر قربانی کا کافی اہتمام کرتے ہیں، جبکہ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مطلقا قربانی کرنا درج ذیل امور کی وجہ سے جائز ودرست نہیں ہے:

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی امتی پر بہت سارے حقوق کے باوجود کسی نے بھی قربانی کرنے کو آپ کا امتی پر حق قرار نہیں دیا ہے۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امتی کو اپنی جانب سے قربانی کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔

☆رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کے باوجود آپ کے جاں نثار صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کبھی بھی قربانی نہیں کی ہے، بالخصوص ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین۔

☆حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قربانی کرنا صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

☆جس ضعیف روایت سے استدلال کرتے ہوئے کچھ لوگوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قربانی کرتے تھے اسی روایت میں یہ بھی وارد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اس کی وصیت کی تھیں۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے ہم یہ کہیں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قربانی کرنے سے متعلق دو مشہور روایتیں ہیں:

ایک روایت سنن ترمذی میں ہے: **عن شريک عن أبي الحسناء عن الحكم عن حنش عن علي أنه كان يضحي بكبشين، أحدهما عن النبي صلى الله عليه و سلم، والآخر عن نفسه، فقيل له، فقال: أمرني به يعني النبي صلى الله عليه و سلم فلا أدعه أبدا[سنن الترمذی حدیث ۱۴۹۵]۔**

یعنی حضرت علی دو مینڈھے کی قربانی کرتے، ایک اپنی جانب سے، اور ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے، پوچھے جانے پر انہوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے، اس لئے میں اس عمل کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں: **"هذا حديث حسن غريب، لا نعرفه إلا من حديث شريك"** یعنی یہ حدیث حسن غریب ہے اور یہ صرف شریک ہی کے طریق سے مروی ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **" قال المنذري حنش هو أبو المعتمر الكناني الصنعاني وتكلم فيه غير واحد، وقال ابن حبان البستي: وكان كثير الوهم في الأخبار، ينفرد عن علي بأشياء لا يشبه حديث الثقات، حتى صار ممن لا يحتج به، وشريک هو ابن عبد الله القاضي فيه مقال، وقد أخرج له مسلم في المتابعات انتهى "** یعنی امام منذری نے کہا کہ حنش ابوالمعتمر الکنانی الصنعانی ہیں، بہت سارے لوگوں نے ان پر کلام کیا ہے، اور امام ابن حبان بستی فرماتے ہیں کہ حنش کو اخبار نقل کرنے میں بہت زیادہ وہم ہوتا تھا، اور حضرت علی سے بہت ساری چیزیں نقل کرنے میں منفرد ہیں اور ثقات کی مخالفت کرتے ہیں اسی لئے ان کی حدیث قابل حجت نہیں ہے، اور شریک سے مراد شریک بن عبداللہ القاضی ہیں، ان پر بھی بہت سارے لوگوں نے کلام کیا ہے، لیکن امام مسلم نے شریک سے متابعت ہی کے طور پر روایت کی ہیں۔

مزید صاحب تحفہ فرماتے ہیں کہ **" قلت: وأبو الحسناء شيخ عبد الله مجهول كما عرفت، فالحديث ضعيف"** میں کہتا ہوں کہ أبوالحسناء شیخ عبداللہ مجہول ہیں، لہذا حدیث ضعیف ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور روایت پیش کی جاتی ہے جسے امام ابوداود اور امام احمد نے روایت کیا ہے: **عن شريک عن أبي الحسناء عن الحكم عن حنش قال: رأيت عليا يضحي بكبشين، فقلت: ما هذا ؟ فقال إن رسول الله صلى الله عليه وسلم-أوصاني أن أضحي عنه فأنا أضحي عنه [سنن أبي داود حديث:۲۷۹۲]۔**

علامہ البانی فرماتے ہیں کہ **(قلت: أسناده ضعيف؛ لسوء حفظ شريک- وهو ابن عبد الله القاضي-.**

وحنشٌ - وهو ابن المعتمر الصنعاني- ضعّفه الجمهور . وأبو الحسناء مجهول .[ضعيف سنن أبي داود ۲/۳۷۱] میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے شریک بن عبداللہ القاضی کے حفظ میں گڑبڑی کی وجہ سے، اور حنش بن المعتمر الصنعانی کو جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے، اور ابوالحسناء مجہول ہیں۔

یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی طرح ضعیف ہے، اور دونوں حدیثوں کی سند میں تقریبا وہی رواۃ ہیں، اور سب کے سب ضعیف ہیں، لیکن اس کے متن میں ایک زائد چیز یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قربانی کرنے کی وصیت کی تھی۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مطلق قربانی کرنا جائز و درست نہیں ہے۔

ان تمام تر تفصیلات کے بعد معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتِ محمدیہ پر ثابت شدہ بہت سارے حقوق ہیں، ان حقوق کی بجا آوری ہم تمام امتِ محمدیہ پر واجب وضروری ہے، اور ان ثابت شدہ حقوق کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی ایسا کام کرنا جس کا ثبوت صحیح دلائل سے نہ ہو جائز و درست نہیں ہے، چاہے وہ عید میلاد النبی ہو یا قرآنی خوانی، حج وعمرہ ہو یا صدقہ وخیرات، قربانی ہو یا کوئی بھی نفلی عبادت، بلکہ امت کے علماء وفضلاء کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان تمام عبادتوں کو باطل اور بدعت قرار دیا ہے جن کا ثبوت قرآن اور صحیح حدیث سے نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اے اللہ! تو ہم تمام امتِ محمدیہ کو صحیح سمجھ عطا فرما، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز وثابت حقوق کی بجا آوری کی توفیق دے، اور ان اعمال سے بچالے جن کا شریعت اسلامیہ سے کوئی ادنی تعلق نہ ہو۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه، وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

☆☆☆

صلاۃ الضحیٰ ایک مہجور سنت

عبدالولی عبدالقوی، سعودی عرب

الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله وبعد:

(۱) صلاۃ الضحیٰ کا حکم:

صلاۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) سنت ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی پڑھتے تھے اور صحابہ کرام کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل محمد ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی (۱) ہر ماہ تین دن روزہ رکھنے کی (۲) چاشت کی دو رکعت نماز پڑھنے کی (۳) سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔(بخاری، الصوم باب صیام البیض.....۱۹۸۱، مسلم صلاۃ المسافرین باب استحباب صلاۃ الضحیٰ.....۷۲۱)

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے حبیب محمد ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت کی، میں انھیں ہرگز نہ چھوڑوں گا جب تک زندہ رہوں گا (۱) ہر ماہ تین دن روزہ رکھنے کی (۲) چاشت کی نماز پڑھنے کی (۳) اور سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔(مسلم، صلاۃ المسافرین باب استحباب صلاۃ الضحیٰ...۷۲۲)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ چاشت کی نماز سنت مؤکدہ ہے۔"(شرح النووی علی صحیح مسلم ۳/۲۳۳)

(۲) صلاۃ الضحیٰ کی فضیلت: ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يصبح على كل سلامى من أحدكم صدقة فكل تسبيحة صدقة وكل تحميدة صدقة وكل تهليلة صدقة وكل تكبيرة صدقة وأمر بالمعروف ونهى عن المنكر صدقة ويجزى من ذلك ركعتان يركعهما من الضحى.

صبح ہوتے ہی تم میں سے ہر شخص کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہوتا ہے، پس ہر تسبیح (سبحان اللہ کہنا) صدقہ ہے، ہر تحمید (الحمدللہ کہنا) صدقہ ہے، ہر تہلیل (لا الہ الا اللہ کہنا) صدقہ ہے، ہر تکبیر (اللہ اکبر کہنا) صدقہ ہے، بھلائی کا حکم دینا صدقہ ہے اور گناہ سے روکنا بھی صدقہ ہے اور ان سب چیزوں سے چاشت کی دو رکعتیں کفایت کرتی ہیں۔(مسلم، صلاۃ المسافرین باب استحباب صلاۃ الضحیٰ (۷۲۰)

بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: فى الانسان ثلاثمائة وستون مفصلا فعليه أن يتصدق عن كل مفصل بصدقة قالوا: ومن يطيق ذلك يا نبى الله؟ قال: النخاعة فى المسجد تدفنها والشئى تنحيه عن الطريق فان لم تجد فركعتا الضحى تجزئك

انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اسے چاہئے کہ ہر جوڑ کے عوض صدقہ کرے، صحابہ کرام نے کہا: اے نبی ایسا کون کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد میں تھوک پڑا ہو تو تم اسے دفن کر دو، کسی تکلیف دہ (چیز کو راستہ سے ہٹا دو اور اگر یہ چیزیں نہ پاؤ تو چاشت کی دو رکعت نماز تمہاری جانب سے کفایت کرتی ہے۔

(ابوداود، الادب باب فی اماطۃ الاذی عن الطریق ۵۲۴۲، مسند احمد ۵/۳۵۴ (صحیح عند الالبانی رحمہ اللہ) دیکھئے: صحیح الترغیب والترہیب ۱/۴۲۰ ح ۶۶۶)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من صلى الفجر فى جماعة ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة وعمرة قال: قال رسول الله ﷺ تامة تامة تامة

جو شخص باجماعت نماز فجر پڑھے، پھر سورج کے طلوع ہونے تک بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا رہے، پھر دو رکعت نماز پڑھے تو اسے حج اور عمرہ کے برابر ثواب ملتا ہے، آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: مکمل حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔

(ترمذی، الجمعۃ باب ذکر ما یستحب من الجلوس فی المسجد...۵۸۶، (حسن عند الالبانی رحمہ اللہ) دیکھئے: صحیح ترمذی ۱/۱۸۱)

(۳) چاشت کی نماز کا وقت: چاشت کی نماز کا وقت سورج کے ایک نیزہ بلند ہو جانے کے بعد سے لے کر زوال آفتاب سے پہلے تک ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم اركع لى أربع ركعات من أول النهار أكفك آخره اے آدم کے بیٹے! خالص میرے لئے چار رکعتیں اول دن میں پڑھ میں تجھ کو اس دن کی شام تک کفایت کروں گا۔(ترمذی، الوتر باب ماجاء فی صلاۃ الضحیٰ ۴۷۵، (صحیح عند الالبانی رحمہ اللہ) دیکھئے: صحیح ترمذی ۱/۴۷) اور اس کا افضل وقت گرمی کے سخت ہو جانے کے بعد ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صلاة الأوابين حين ترمض الفصال" چاشت کی نماز کا وقت وہ ہے جب اونٹنی کے بچے کا پاؤں جلنے لگے۔"(مسلم، صلاۃ المسافرین باب

صلاۃ الاوابین حین ترمض الفصال ۷۴۸)

امام بہوتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''چاشت کی نماز کا وقت سورج کے ایک نیزہ بلند ہوجانے کے بعد سے زوال آفتاب سے تھوڑا سا پہلے تک ہے اور افضل وقت گرمی کے سخت ہوجانے پر ہے۔'' (الروض المربع ۱/۱۱۲)

(۴) **رکعات کی تعداد:** ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل محمد ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت کی (۱) ہر ماہ تین دن روزہ رکھنے کی (۲) چاشت کی دو رکعت نماز پڑھنے کی (۳) سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔

ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن میرے گھر میں غسل کیا اور آٹھ رکعت نماز ضحیٰ (چاشت) پڑھی۔ (بخاری، التہجد باب صلاۃ الضحیٰ فی السفر ۱۱۷۶، مسلم، صلاۃ المسافرین باب استحباب صلاۃ الضحی وان اقلها رکعتان ...۷۱۹ (۸۰)

معلوم ہوا کہ چاشت کی نماز کم سے کم دو رکعت ہے اور چار، چھ، آٹھ بھی درست ہے، راجح قول کے مطابق زیادہ کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

معاذہ رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا، رسول اللہ ﷺ چاشت کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے، عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: چار رکعتیں اور جس قدر اللہ چاہتا آپ اس سے زیادہ بھی پڑھتے۔ (مسلم، صلاۃ المسافرین باب استحباب صلاۃ الضحیٰ وان اقلها رکعتان ۷۱۹ (۷۸)

علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چاشت کی نماز کم سے کم دو رکعت ہے اور چار، چھ، آٹھ بھی جائز ہے بلکہ حسب سہولت اس سے زیادہ پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ زیادہ کے لئے کوئی حد متعین نہیں ہے، علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

(مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ ۱۱/ ۳۹۹، الشرح الممتع ۴/ ۱۱۷-۱۱۹)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم تمام مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرنے اور فرائض کی پابندی کے ساتھ نوافل کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

☆☆☆

اہل حدیث کمپلیکس اور اہل حدیث منزل کے دونوں تاریخی اور عظیم تعمیری کاموں کے سلسلہ میں

ایک اعلیٰ سطحی وفد اگلے ہفتے متعدد صوبوں کے دورے پر۔ ان شاء اللہ

احباب جماعت اور ہمدردانِ قوم وملت کو معلوم ہے کہ اہل حدیث کمپلیکس اوکھلا ئی دہلی اور اہل حدیث منزل جامع مسجد دہلی میں دو عظیم الشان تاریخی بلڈنگوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ اس سلسلہ میں الحمدللہ اہل حدیث کمپلیکس کے عظیم تعمیری پروجیکٹ کی دوسری منزل کی تسقیف (ڈھلائی) کا کام ہوا چاہتا ہے اور اہل حدیث منزل میں ترمیم وتعمیر کا کام تیسری منزل تک پہنچ چکا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق کے بعد محسنین جماعت وجمعیت کی سخاوت وفیاضی کے مرہون منت ہے۔ مزید تعاون کے لیے احباب جماعت صوبائی جمعیات سے تنسیق کے بعد مساجد میں باضابطہ ومسلسل اعلان فرمائیں۔

عنقریب ہی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا ایک اعلیٰ سطحی وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہورہا ہے۔ اس عظیم اور تاریخی خیر کے کام میں اپنا بھرپور حصہ اور کردار ادا کر کے مشکور وماجور ہوں۔

نوٹ: اس سلسلہ میں متعلقہ صوبوں کے ذمہ داران واعیان کو اطلاع کردی گئی ہے۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICICI0006292

ابوعدنان سعید الرحمٰن نورالعین سنابلی
المرکز الاسلامی الثقافی الہندی للترجمۃ والتالیف، نئی دہلی
Mob. 8285162681

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب

اہل سنت والجماعت کا اتفاقی واجماعی مسئلہ ہے کہ سبھی صحابہ کرام عادل ہیں۔ یہ وہ پاکیزہ نفوس ہیں جن سے رضامندی کا پروانہ رب تعالیٰ نے عرش معلیٰ سے دیا اوران کی شان میں گستاخی اورسب وشتم کو جرم عظیم تصور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی تقدیس فرمائی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایسی تربیت فرمائی کہ وہ دنیا میں بھی کامیاب ہوئے اور آخرت میں بھی سرخرو اورفوز وفلاح سے ہمکنار ہوں گے۔ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ عمومی صحابہ کرام کے حق میں ہے اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ محض صحابی ہونا ہی ایسا شرف وفضل ہے کہ اس کے ہم پلہ کوئی دوسری نیکی نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ ابن حجر مکی نے **الصواعق المحرقة**: ص/213 میں **باب اعتقاد أهل السنة والجماعة في الصحابة** کے ضمن میں لکھا ہے: ''ان فضيلة صحبته صلى الله عليه وسلم و رؤيته لا يعدلها شئ'' یعنی صحبت ودیدار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پلہ کوئی چیز نہیں۔

معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ کو کاتب وحی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار دعائیں اور نصیحتیں ثابت ہیں۔ آپ ایمان وعمل کے مجسم، صدق وصفا کے پیکر، امور جہاں بانی کے ماہر، قابل سیاست داں اور خاندانی جاہ وجلال کے مالک صحابی تھے، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ آپ ہمیشہ سے رافضیوں کے نشانے پر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ رافضی راویوں نے آپ کے بارے میں متعدد بے سروپا کی باتیں مشہور کیں، جن سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص وتذلیل کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کسی نے حدیث وضع کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بددعا کی کہ وہ میری ملت کے سوا، دوسرے ملت پر اٹھائے جائیں گے۔ کسی نے یہ گڑھا کہ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو گدھے پر سوار دیکھا جسے معاویہ نکیل تھامے لارہے تھے اوران کے بیٹے یزید ہنکارہے تھے تو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: **لعن الله القائد والراكب والسائق**، غرضیکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے پورے گھرانے بلکہ خانوادہ بنوامیہ کو بدنام کرنے کے لئے دشمنان اسلام کے ذریعہ مختلف حدیثیں وضع کی گئیں اور چوتھے خلیفہ راشد علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان نفرت آمیز حدتک موازنہ کیا گیا اور روافض نواصب اور ان دونوں کے متبعین نے صحابہ واہل بیت کی ہتک عزت کی حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں شخصیتیں صحابی رسول ہونے کے ناطے اس قدر لائق احترام ہیں کہ ان پر ادنی سے ادنی کلام کی گنجائش نہیں۔ اور رہ گیا تفاضل اورافضلیت کا مسئلہ تو جس طریقے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل صحابی ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کا کوئی ہمسر اور مدمقابل کوئی نہیں ہوسکتا۔ چہ جائے کہ امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کی بات کی جائے۔ خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے فضل وکمال کے معترف ہی نہیں بلکہ مداح بھی تھے۔ اس لئے دونوں کی افضلیت کے مسئلے کو برائے تنقید موضوع بحث بنانا سادہ لوحی یا بددیانتی ہی کہی جاسکتی ہے جبکہ دونوں کا حال یہ ہے کہ ہمارے یہ دونوں معزز حضرات اوران کے معزز خانوادے ایک دوسرے کے ثناخوان اور باہم رشتوں میں ایک دوسرے سے منسلک نظر آتے ہیں۔ اور برملا اظہار فرماتے ہوئے گویا ہیں۔ کہ

کون کہتا ہے کہ ہم تجھ میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

اس لئے تمام مسلمانوں پر ضروری ہے کہ دونوں صحابہ کرام سے محبت کریں، ان سے والہانہ عقیدت رکھیں، ان کی تعظیم کریں اوران کے مابین اختلافی امور کوان کے اجتہاد کا شاخسانہ قرار دے کر اس کی بنیاد پر ان میں سے کسی ایک کی بھی تفسیق وتبدیع سے گریز کریں۔ مشاجرات صحابہ کے تعلق سے اہل سنت کی رائے یہی ہے کہ اس کے تعلق سے سکوت اختیار کریں اورعوام میں ان واقعات کو پھیلا کر انہیں بعض صحابہ کرام کے تعلق سے بدظن نہ کریں۔

بہرحال، زیرنظر مضمون میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے کچھ خاکے مختصر الفاظ میں ذکر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اس وجہ سے کہ بعض ناعاقبت اندیشوں کے ذریعہ ہندوستان میں پھر سے آپ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے جارہے ہیں اور آپ کو سب وشتم کیا جارہا ہے۔ مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ ان دریدہ دہنوں، ہرزہ سرائیوں اور برہنہ گفتاریوں کا حقیقت سے کوئی سروکار نہیں بلکہ ایسا کرنے والے اپنی عاقبت سے بے خبر ہوکر حطام دنیا کے حصول میں اس طرح کی نازیبا حرکتیں انجام دیا کرتے ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام و نسب، کنیت اور پیدائش: آپ کا نام معاویہ اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے:''معاویہ بن ابوسفیان بن صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قریشی اموی مکی''۔(سیر اعلام النبلاء ۳/۱۲۰)

معاویہ رضی اللہ عنہ مختلف اقوال کی رو سے بعثت نبوی کے پانچ سال، سات سال یا تیرہ سال بعد پیدا ہوئے۔ان میں سے راجح ترین قول پہلا ہے۔(الاصابة فی تمییز من الصحابة لابن حجر العسقلانی ۴/۱۵۱)

آپ کے والد اور والدہ: آپ کے والد کا نام ابوسفیان تھا۔قبول اسلام سے پہلے کفار قریش کے سرداروں میں ان کا شمار ہوتا تھا اور اس زمانے میں مسلمانوں کے خلاف انتہائی سخت تھے،لیکن قبول اسلام کے بعد ابوسفیان کا اسلام بہت خوب رہا اور انہوں نے اسلام کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔فتح مکہ کے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خصوصی اعزاز و اکرام سے نوازتے ہوئے فرمایا:''جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا،اسے امن وامان حاصل ہوگا''۔(صحیح بخاری/4280)

ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔آپ غزوہ حنین کے موقع پر اور طائف کا محاصرہ کرتے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک عمل رہے۔ان کی ایک آنکھ اسی دوران ضائع ہوئی جبکہ دوسری آنکھ سے جنگ یرموک کے موقع پر محروم ہوگئے تھے۔(التبیین فی أنساب القرشیین ص/203)

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے باختلاف روایات ۳۱،۳۲،۳۳ یا ۳۴ ہجری میں وفات پائی۔(التبیین: ص/203)ان کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔اس وقت ان کی عمر اسی برس اور ایک دوسرے قول کی رو سے نوے برس سے کچھ زائد تھی۔(التبیین: ص/204)

آپ کی والدہ کا نام ہند تھا۔ ہند رضی اللہ عنہا قبول اسلام سے پہلے اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھیں اور دل میں سخت نفرت رکھتی تھیں۔جنگ بدر میں مشرکین کی شکست سے حد درجہ دل برداشتہ ہوئی تھیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ قریش کے محافل ومجالس میں تشریف لے جاتی تھیں اور اپنے اشعار و بیان کے ذریعہ قریش کے لوگوں کے دلوں میں جوش انتقام کی آگ بھڑکاتی تھیں۔بہرحال،اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے موقع پر انہیں قبول اسلام کی توفیق بخشی اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا،پھر یہاں سے ہند رضی اللہ عنہا کی زندگی کا نیا باب شروع ہوا ہے۔

قبول اسلام کے بعد ہند رضی اللہ عنہا اپنے گھر گئیں اور گھر میں موجود بت کو ریزہ ریزہ کردیا۔(الطبقات الکبری لابن سعد ۸/۱۷۲)

معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام: راجح ترین قول کے مطابق معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد ابوسفیان اور اپنے بھائی یزید کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔(الاصابة ۳/۴۳۳)

اپنے قبول اسلام کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں عمرة القضاء کے موقع پر سن ۷ ہجری میں مسلمان ہوا،مگر میں نے اپنے والد سے اس کو مخفی رکھا۔کچھ دنوں کے بعد جب انہیں اس امر کا علم ہوا تو انہوں نے مجھ سے کہا:تمہارا بھائی یزید تم سے بہتر ہے جو اپنی قوم کے دین پر کاربند ہے۔میں نے کہا: مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمرة القضاء کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اس وقت میں آپ کی تصدیق کرچکا تھا،پھر جب آپ فتح مکہ کے موقع پر شہر میں داخل ہوئے تو میں نے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کیا۔اس کے بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے خوش آمدید کہا اور آپ کی خدمت میں رہ کر کتابت کرنے لگا۔(البدایة والنہایة لابن کثیر الدمشقی ۱۱/۳۹۶)

معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ حنین میں شریک ہوئے اور آپ نے انہیں مال غنیمت سے ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا دیا۔(البدایة والنہایة ۴/۴۵۸)

معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل: قرآن وحدیث کے ذخیرے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے بے شمار فضائل وارد ہیں اور ہو بھی کیوں نا،آپ ایک جلیل القدر صحابی رسول تھے۔کاتب وحی تھے۔فقیہ صحابہ میں سے تھے۔ایک ہادی، ہدایت یافتہ اور دوسروں کے لئے ذریعہ ہدایت تھے،ان کا علم اور حلم تمام امت میں مشہور تھا،خلافت صدیقی، خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں انہیں با اعتماد سمجھ کر حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا۔یہی نہیں، بلکہ آپ کا کردار نہایت شفاف اور صاف ستھرا اور پاکیزہ ہے۔انہوں نے اپنے دور خلافت میں وہ خدمات جلیلہ انجام دیں کہ امت آج تک ان کی زیر احسان ہے۔آپ کی فتوحات، عسکری نظام، نظم مملکت، معاشی اور اقتصادی اصلاحات، تدبیر و سیاست، جود وسخاوت، زہد وورع، عدل وانصاف اور ظرافت وخطابت نے امت مسلمہ کو وہ قوت بخشی کہ ان کے بازو قوی، حوصلے بلند اور ارادے مضبوط و مستحکم ہوگئے۔اس میں سمندروں جیسا تموج، طوفانوں جیسی شدت، پہاڑوں جیسی مضبوطی، پھولوں جیسی مہک اور رنگینی اور شبنم جیسی نمی پیدا ہوگئی۔وہ جدھر بڑھی فتح وکامرانی نے اس کے قدم چومے،تخت وتاج اس سے لپٹنے کے لئے دیوانہ وار دوڑے،وہ وقت کی معلم بنے۔

قرآن مجید کے حوالے سے: معاویہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ حنین میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:''ثُمَّ اَنْزَلَ

اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ“ (سورۃ التوبۃ/26)

چونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس غزوہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔لہٰذا، آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے سکینت نازل فرمائی۔(مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ الحرانی ۴/۴۵۸)

اسی طرح سے معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان لوگوں میں بھی ہوتا ہے جن کے ساتھ اس نے حسنیٰ کا وعدہ فرمایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:”وَمَا لَکُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ“ (سورۃ الحدید/10)

ان سے الحسنٰی کا وعدہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے غزوہ حنین وطائف میں شرکت کی اور باقاعدہ طور سے دشمنان اسلام سے جنگ لڑی۔(مجموع الفتاوی ۱/۴۹۵)

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے : معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے تعلق سے متعدد حدیثیں ثابت ہیں جن میں سے بعض حدیثیں ذیل میں درج ہیں:

۱-عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:”اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا، واھدہ، واھدبہ“ یعنی اے اللہ! انہیں ہدایت دہندہ، ہدایت یافتہ اور دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنادے۔(التاریخ الکبیر للامام البخاری ۵/۲۴۰، اسے شیخ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الأحادیث النبویۃ فی فضائل معاویۃ بن ابی سفیان ص/11 میں صحیح قرار دیا ہے۔)

۲-عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری روایت میں وارد ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:”اللھم علم معاویۃ الحساب وقہ العذاب“ یعنی اے اللہ! معاویہ کو حساب کا علم عطا کر اور اسے عذاب سے محفوظ فرما۔(التاریخ الکبیر ۵/۲۴۰، مسند الشامیین للطبرانی ۱/۱۹۰، اسے شیخ محمد امین شنقیطی نے شواہد کی بنیاد پر صحیح قرار دیا ہے۔)

۳-سیدنا عمیر بن سعد کہتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر سوائے اچھائی کے مت کیا کرو، کیونکہ میں نے سرور کائنات کو یہ فرماتے ہوئے سنا:”اللھم اھدہ“ یعنی اے اللہ! معاویہ کو ہدایت عطا فرما۔(سنن ترمذی/3807)

۴-عبدالملک بن عمیر روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”یامعاویۃ!ان ملکت فأحسن“ یعنی اے معاویہ! اگر تمہیں اقتدار نصیب ہو تو لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا“۔(کتاب الشریعۃ للآجری/1952)

۵-ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:”أول جیش من أمتی یغزون البحر قد أوجبوا“ یعنی میری امت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا، اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔(صحیح بخاری/2766)

امام مہلب رحمہ اللہ اس بارے میں کہتے ہیں:”فی ھذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ لأنہ أول من غزا البحر“ یعنی اس حدیث میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کی گئی کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بحری جنگ لڑی۔(فتح الباری ۶/۱۲۰)

۶-وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ان کی سواری پر سوار تھے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:”معاویہ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے قریب ہے؟ عرض کیا: میرا پیٹ آپ کے قریب ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”اللھم املأہ علما و حلما“ یعنی اے اللہ! تو ان کے پیٹ کو حلم وعلم سے بھر دے۔(التاریخ الکبیر ۴/۱۸۰)

۷-عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے۔میں نے اپنے آپ کو ایک دروازے کے پیچھے چھپالیا۔آپ نے وہاں مجھے آلیا اور کہا: معاویہ کو بلالاؤ۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں معاویہ کو بلانے گیا۔اس وقت وہ کھانا کھارہے تھے۔میں واپس آکر آپ کو بتایا کہ وہ کھانا کھارہے ہیں۔تھوڑی دیر بعد پھر آپ نے مجھے بھیجا۔میں نے پھر آکر کہا کہ وہ کھانا کھارہے ہیں۔اب کی بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”لاأشبع اللہ بطنہ“ یعنی اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔(صحیح مسلم/2604)

کچھ کوتاہ مغزوں نے اس حدیث کو بنیاد بناکر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کیا ہے اور کہا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی ہے۔لہٰذا، ان کے حق میں کسی بھی طرح کا خیر ثابت کرنا، اس بددعا کے منافی ہے۔حالانکہ یہ گمان انتہائی فاسد اور حد درجہ باطل ہے۔وجہ یہ ہے کہ اس حدیث سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا کرتے تھے۔دوسری بات یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا تعلق معاویہ رضی اللہ عنہ کے دین سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق آپ کی دنیا سے ہے اور مومن کا مطلوب ومقصود دنیا نہیں ہوتا ہے۔نیز حافظ

ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا ذکر ہے کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے: "اللهم! من لعنته أو سببته فاجعل ذلك زكوٰة و رحمة" یعنی اے اللہ! جس کسی پر میں لعنت بھیجوں یا جس کے حق میں سب وشتم کروں تو یہ اس کے حق میں پاکی کا ذریعہ اور رحمت کا سامان بنادے۔(سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۳۰)

سابقہ فضائل کے علاوہ جب ہم معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی سیاسی بصیرت اور نظم مملکت کی صلاحیت کا ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہما نے اعتراف کیا اور آپ کو متعدد صوبوں اور شہروں کا گورنر بنایا، مختلف فوجوں کی کمانڈری سونپی اور حکومت کی بہت ساری ذمہ داریاں آپ کے سپرد کیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ اور خلفاء راشدین:

☆ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں معاویہ رضی اللہ عنہ مختلف فوجی محاذ پر بھیجے گئے۔ فوجی کمک کے ساتھ آپ کو آپ کے برادر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے بھیجا۔ مرتدین کے خلاف یمامہ میں ہونے والی جنگ میں آپ مسلم فوج کا حصہ تھے۔ شام کے مختلف علاقوں میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جو فوج بھیجی گئی، معاویہ رضی اللہ عنہ اس فوج میں شامل تھے اور صیدا، عرقہ، جبل اور بیروت جیسی عظیم فتوحات میں اسلامی فوج کا حصہ تھے اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔(محاضرات تاریخ الأمم الاسلامية: الدولة الأموية للشيخ محمد الخضيري)

☆ عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں آپ کو شام کے علاقہ اردن کی باگ ڈور سونپی گئی۔ جب آپ کے برادر عزیز یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات طاعون عمواس میں ہوئی تو دمشق کی ذمہ داری بھی عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے سپرد کردی۔(سیر اعلام النبلاء للذہبی ۳/۱۳۳)

☆ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ کو پورے شام کی گورنری حاصل ہوئی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی بیماری اور علقمہ بن محرز کی وفات کے بعد شام کے ساتھ ساتھ بالترتیب حمص اور فلسطین کا گورنر متعین کردیا اور اس طرح سے عہد عثمانی میں آپ کے زیر اثر متعدد صوبے اور ولایتیں آگئیں۔ اسی دور میں آپ نے مختلف غزوات میں مسلم فوج کی قیادت فرمائی اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ دراز کیا اور بے شمار علاقے فتح ہوئے۔

☆ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کے تعلقات بہتر نہیں رہے۔ وجہ یہ ہوئی کہ جب بلوائیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بے دردی کے ساتھ ظالمانہ طور پر قتل کردیا تو اس موقع پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے بدلا لیا جائے اور بلوائیوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے جبکہ علی رضی اللہ عنہ نے فتنے اور حالات کی سنگینی کا واسطہ دے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مناسب وقت کے انتظار کی تلقین کی۔ بہرحال، فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے بطن سے پہلے جنگ جمل عائشہ وعلی رضی اللہ عنہما اور پھر جنگ صفین علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آئی۔ یہ واقعات تاریخ کے باب میں انتہائی خونچکاں ہیں اور علمائے سنت والجماعت نے مشاجرات صحابہ کے تعلق سے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس میں زیادہ لب کشائی نہ کی جائے بلکہ "من سکت نجا" یعنی سکوت کو نجات کا ذریعہ سمجھا جائے۔

تاریخ کے انہی واقعات کو سامنے رکھ کر بعض لوگوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کی ہے اور آپ کی عزت کو تار تار کیا ہے، حالانکہ اس تعلق سے سکوت اختیار کرنے کا حکم ہے اور "تقتلك الفئة الباغية" کی رو سے تسلیم بھی کرلیا جائے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی رائے میں صائب نہیں تھے، پھر بھی آپ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر اجر وثواب کے مستحق تھے۔ اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے: "اذا حكم الحاكم فاجتهد ، ثم أصاب فله أجران، واذا حكم فاجتهد، ثم أخطأ فله أجر" (صحیح مسلم/4487)

دوسری بات مشاجرات صحابہ کے تعلق سے علمائے سنت والجماعت کا موقف یہی ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے اور اس معاملے میں ذہن سوزی سے گریز کیا جائے۔ مشاجرات صحابہ کے تعلق سے یہ بات اسلاف کرام کی مختلف کتابوں مثلا السنة لعبدالله بن احمدبن حنبل، السنة لابن ابی عاصم، عقيدة أصحاب الحديث، الانابة لابن بطة، عقيدة الطحاوية وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

آپ کی فضیلت اس بات سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم کرلی۔ چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا: "ان ابنی هذا سيد، ولعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين" یعنی میرا یہ بچہ سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کا فریضہ انجام دے گا۔(صحیح بخاری/2704)

معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ میں مختلف اقوال اسلاف:

اسی طرح سے علمی مقام ومرتبہ اور آپ کی فقیہانہ شان وشوکت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس موقف کے تعلق سے کیا کہتے ہیں کہ وہ صرف ایک رکعت ہی وتر کی نماز پڑھا کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ درست بات کہہ رہے ہیں کیونکہ وہ فقیہ انسان ہیں۔(صحیح بخاری/3554)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ سخی کسی دوسرے کو نہیں دیکھا۔ آپ سے پوچھا گیا: عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ سے زیادہ سخی نہیں تھے؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ عمر رضی اللہ عنہ ان سے افضل تھے لیکن جہاں تک سخاوت کی بات ہے تو وہ اس معاملہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ ممتاز تھے۔(السنة لابن الخلال /677)

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ معافی بن عمران رحمہ اللہ کے سامنے کسی شخص نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر ہیں۔ یہ سن کر معافی رحمہ اللہ سخت نالاں ہوگئے اور کہا: کسی بھی انسان کا صحابی رسول کے ساتھ موازنہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول، آپ کے سالے، آپ کے کاتب اور دین اسلام کے امین تھے۔(الشفاء بتعریف حقوق المصطفی للقاضی عیاض ۲/۵۵)

معاویہ رضی اللہ عنہ کا شدت تمسک سنت: معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان یہ تھی کہ آپ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کے بے انتہاء حریص تھے اور لوگوں کو حدیث نبوی پر عمل کرنے اور اس کی مخالفت سے بچنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ جب بھی مدینہ تشریف لاتے اور فقہاء مدینہ کو خلاف سنت کہتے ہوئے سنتے تو پوچھا کرتے تھے کہ تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں اس مسئلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں کہتے یا یوں کرتے دیکھا تھا۔

صحیح بخاری /562 میں مروی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ ایک ایسی نماز پڑھتے ہو کہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی، لیکن وہ نماز آپ کو پڑھتے نہیں دیکھی بلکہ آپ اس سے منع کیا کرتے تھے یعنی عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے سے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت خلیفہ: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر تاریخی بیعت کر لینے کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے سن ۴۱ ہجری میں بیعت کی گئی۔ اس سال کو عام الجماعۃ کہتے ہیں۔(سیر اعلام النبلاء ۳/۱۳۷)

خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ کے دور کا حسن رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہونے کے ساتھ اختتام ہوگیا۔ پھر خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوگئی۔ اس کے بعد بھی معاویہ رضی اللہ عنہ نے انتہائی اچھے ڈھنگ سے حکومت چلائی اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا اور بہت سارے نئے علاقے فتح ہوئے اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ بیس سال بحیثیت خلیفہ زندہ رہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیویاں اور اولاد: معاویہ رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں۔ آپ کی بیویوں کے نام درج ذیل ہیں:

أ- میسون بنت بحدل الکلبی: اس بیوی سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک بیٹا یزید اور ایک بیٹی امۃ رب المشارق پیدا ہوئیں۔

ب- فاختہ بنت قرظہ: آپ کے بطن سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے عبدالرحمٰن اور عبداللہ ابوالخیر پیدا ہوئے۔

ج- کنود بنت قرظہ　　د- نائلہ بنت عمارہ کلبیہ　　ھ- قرظہ بنت عمرو بن نوفل

معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات: معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۲/رجب سن ۶۰ ہجری، بروز جمعرات شام کی راجدھانی دمشق میں ہوئی اور وہی مدفون بھی ہوئے۔ موت کے وقت آپ کی عمر 78/سال تھی۔(تاریخ طبری ۶/۲۴۶)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے یہ مختصر باتیں آپ کی خدمت میں پیش کی گئیں، یہ آپ کے فضائل ومناقب میں منقول نصوص میں سے مشتے نمونہ از خروارے کے مترادف ہے۔ آپ اموی خاندان کی خلافت کے بانی ہیں۔ آپ کے دور میں جہاں ایک طرف بے شمار ممالک فتح ہوئے، وہیں بہت سارے کارہائے نمایاں انجام پائے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جہاں علم وفقہ کے امام تھے، وہیں دوسری عقلمندی اور زیرکی میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ حلم وعفو ودرگزر میں اپنی مثال آپ تھے۔ ذہانت و فطانت آپ کی پہچان تھی۔ آپ کی عقل و دانش اور معاملہ فہمی کی مثال دی جاتی ہے اور تواضع و پرہیزگاری میں اسوہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ بہرحال معاویہ رضی اللہ عنہ کے اندر ایک نیک انسان، قابل قدر صحابی، کامیاب سیاست داں ہونے کی تمام خوبیاں موجود تھیں اور آپ نے اس کو برت کر دکھا بھی دیا۔

☆☆☆

مکتبہ ترجمان کی
نصابی کتابیں

چمن اسلام قاعدہ	26/-
چمن اسلام اول	20/-
چمن اسلام دوم	26/-
چمن اسلام سوم	28/-
چمن اسلام چہارم	28/-
چمن اسلام پنجم	35/-
چمن اسلام مکمل سیٹ	163/-

درس وتدریس کے چند اہم اصول

اسعد اعظمی/ جامعہ سلفیہ بنارس

جامعہ رحمانیہ بنارس عربی فارسی بورڈ اتر پردیش سے ملحق ایک قدیم ومعروف دینی ادارہ ہے جس میں دو الگ الگ عمارتوں میں طلبہ وطالبات کی تعلیم کا انتظام ہے۔ یہاں دینی وعصری دونوں طرح کی تعلیم کا نظم ہے۔ لڑکیوں کو فضیلت تک دینی تعلیم دینے والا غالباً بنارس میں جماعت کا یہ منفرد ادارہ ہے۔ ۱۲/ ذوالقعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۶ جولائی ۲۰۱۸ء ذمہ داران جامعہ نے معلمین ومعلمات کے سامنے درس وتدریس اور اس سے متعلقہ آداب وقواعد پر محاضرہ پیش کرنے کے لیے راقم سطور کو دعوت دی۔ تقریباً ۴۰/ منٹ تک موضوع سے متعلق مختصر گفتگو کی گئی۔ اس گفتگو کے اہم نقاط کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جارہا ہے:

درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کا عمل انتہائی حساس اور اہم عمل ہے، اس میں مرور اوقات کے ساتھ اہم تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ طریقۂ تدریس، طریقۂ امتحان، نصاب تعلیم، نظام تعلیم، تدریس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانا، اس راہ میں آنے والی مشکلات کو کیسے دور کیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔ ان سب موضوعات پر وقفے وقفے سے معلمین ومعلمات کے درمیان تبادلہ خیال لازما ہوتے رہنا چاہیے، ورکشاپ کا انعقاد ہو، محاضرے اور سیمینار ہوں اور نظر ثانی اور جائزے کا عمل مسلسل جاری رہے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا ہے۔ الا ما شاء اللہ۔ اور سارا کام روٹینی انداز میں اور بندھے ٹکے طریقے پر جاری وساری رہتا ہے۔ منجملہ اسباب میں سے ایک یہ بھی سبب ہے ہمارے مدارس میں حیات کے بجائے موت، نشاط کے بجائے جمود اور ترقی کے بجائے تنزلی کی راہ پر گامزن رہنے کا۔ واللہ المستعان۔

واضح رہے کہ تدریس وتعلیم کا عمل بڑا ہی مبارک اور منفرد عمل ہے۔ انبیائے کرام کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ نبی اکرم ﷺ کے فرائض میں ''یعلمهم الكتاب والحكمة'' کا تذکرہ آیا ہے۔ نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد علماء انبیاء کے وارث بنے اور ان کے کام کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر آئی۔ اس سے اس پیشے کی اہمیت وعظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تدریس کے کام کی عظمت کی گواہی وہ حدیث بھی دیتی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: "لاحسد الا في اثنتين..." ''صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے، ایک اس شخص پر جس کو اللہ تعالیٰ نے مال ودولت سے نوازا، پھر اس کو حق اور نیکی کے کاموں میں صرف کرنے کی بھرپور توفیق دی۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت سے نوازا، تو وہ اس سے لوگوں کے درمیان صحیح اور شریعت کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔'' (بخاری: ۷۳، مسلم: ۱۹۳۳)

اسی طرح "اذا مات الانسان انقطع عنه عمله... الخ والی حدیث بھی درس وتدریس کی فضیلت پر دال ہے جس میں کہا گیا ہے کہ موت کے بعد انسان کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے البتہ کچھ چیزوں کا اجر وثواب موت کے بعد بھی مسلسل ملتا رہتا ہے ان میں سے ایک چیز "او علم ینتفع به" (مسلم: ۴۳۱۰) بھی ہے۔ یعنی ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ لہٰذا جو طلبہ وطالبات معلم کے علم سے مستفید ہوتے ہیں اور اس سے آنے والی نسلوں کو مستفید کرتے ہیں تو جب تک اس استفادہ وافادہ کا سلسلہ جاری رہے گا معلم کو اجر وثواب ملتا رہے گا۔

سماج میں معلم کا مقام: نصوص شرعیہ سے تعلیم وتعلم کی اہمیت کے ثبوت کے بعد سماجی اعتبار سے اس عمل کی اہمیت کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر قوم اور ہر سماج میں چاہے وہ جس مذہب اور دھرم سے تعلق رکھتا ہو استاذ اور معلم کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اسے قوم کے مستقبل کا معمار اور ملک ووطن کی ترقی کا رمز سمجھا جاتا ہے۔ مخلص اور محنتی معلمین ومعلمات کو ان کی خدمات کے اعتراف میں انعامات اور اعزازات سے نوازا جاتا ہے۔ سال میں ایک دن مخصوص کرکے اسے ''ٹیچرس ڈے'' کے طور پر منایا جاتا ہے۔

درس وتدریس کے کام کے لیے منتخب ہونے والوں کو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے کہ ایک باعزت روزی اور معزز پیشے سے جڑنے کا موقع ملا۔ ان کا مشاہرہ قلیل ہو یا کثیر وہ برسر روزگار ہوگئے۔ ورنہ کتنے ایسے تعلیم یافتہ افراد ہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں لیے دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں۔ کہیں ایک دو سیٹ کے لیے اشتہار نکلتا ہے تو سینکڑوں امیدوار پہنچتے اور ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔

اس باعزت پیشے سے منسلک ہونے کے شکریہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس عمل کو پوری دیانت داری، اخلاص اور محنت سے انجام دیا جائے۔ اور قوم کے نونہالوں کو علم وعمل کے زیور سے اس طرح آراستہ کرنے کے لیے محنت کی جائے کہ وہ اپنے دین، اپنے وطن، اور اپنی قوم کی سربلندی کا ذریعہ بنیں۔ تدریس کو محض ایک پیشہ ہی نہیں بلکہ مشن سمجھا جائے، خانہ پری یا کام چوری تو بہت دور کی بات ہے۔ اس تعلق سے ہمیں ان ملکوں اور قوموں کی کارکردگی بھی برائے عبرت سامنے رکھنی چاہیے جو اپنے مضبوط تعلیمی نظام کی بدولت خود بھی مضبوط ہیں اور دنیا کی قیادت بھی کررہے ہیں۔ وہ یہود جن کی کل تعداد مسلمانوں کے بمقابل آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں وہ تعلیم کے میدان میں کس قدر آگے ہیں کہ تقریباً ۲۰/ فیصد نوبل انعام ان کے حصے میں آچکا ہے۔ جب کہ دنیا کی مجموعی آبادی میں ان کی آبادی کا تناسب ۰ء۲ فی صد ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی میں وہ دنیا کے امام بنے بیٹھے ہیں اور دنیا کے بیشتر ممالک ان سے اخذ واستفادہ پر مجبور ہیں۔ اگر ان کے تعلیمی نظام کا بغور جائزہ لیا جائے تو ان

کی ترقی کے راز کو سمجھنے میں دیر نہ لگے گی۔ یہی حال مغربی قوموں کا بھی ہے۔اسی طرح جاپان اوراس کے اردگرد کے ممالک کی مثال بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

ان معروضات کا مقصد یہ ہے کہ ہم (معلمین ومعلمات) بھی اپنی قوم اوراپنے نونہالوں کی تعلیم وتربیت پر مامور کیے گئے ہیں، جب دوسری قوموں کے بالمقابل ہم تعلیم میں حاشیہ پر ہیں تو ہمیں کتنی سخت محنت کی ضرورت ہے تا کہ اس خلا کو پر کرسکیں اور اس تخلف وادبار کے بدنما داغ کو دھل سکیں۔اس سلسلے میں بہت ساری چیزوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے جن میں چند اہم چیزوں کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اخــــلاص: تدریس وتعلیم انبیاء کا کام رہا ہے، حدیث کے بموجب قابل رشک عمل ہے، صدقہ جاریہ ہے۔لہٰذا اس میں خلوص اور نیک نیتی کی ضرورت ہے، ویسے بھی نیت کی درستگی کے ذریعہ عادت کو عبادت میں تبدیل کر کے اجر کثیر کا مستحق بنا جاسکتا ہے، اس کام کو انجام دیتے وقت اللہ کی رضا مقصود ہو، اعلائے کلمۃ اللہ کا ارادہ ہو، اس کام پر اللہ کے سامنے جواب دہ ہونے کا تصور ہو، ناظم، پرنسپل اور ذمہ داران کی گرفت کے بجائے اللہ کی گرفت مدنظر ہو تو یقیناً کارکردگی میں خاطر خواہ فرق آئے گا۔ ہم ذمہ داروں کی نظروں سے اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہوسکتے ہیں مگر اللہ جل شانہ کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ "بكل شيء عليم" ہے، "لا تخفى عليه خافية" کی صفت سے متصف ہے، "لا تأخذه سنة ولا نوم" اس کا امتیاز ہے۔

صلاحیت: تدریس ایک فن ہے اور ایک بامقصد عمل ہے، انسان جو کام کرتا ہے اس کا طریقہ، اس کا ہنر اور اس کی صلاحیت حاصل کر کے اسے انجام دیتا ہے، معلومات اور جانکاری کے بغیر کسی کام میں ہاتھ ڈالنے کا نتیجہ عموماً اچھا نہیں ہوتا۔ بچوں کے قلوب واذہان کو علم کی روشنی سے منور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے پاس خود وہ روشنی ہو، اس علم کا وافر ذخیرہ ہو، ورنہ عربی کی مشہور مثل ہے کہ "فاقد الشيء لا يعطيه" جو چیز خود آدمی کے پاس نہیں ہے اسے وہ دوسرے کو بھلا کیسے دے گا۔ ایک دوسری مثال ہے کہ "كل اناء بما فيه يترشح" یعنی برتن میں سے وہی ٹپکتا ہے جو برتن میں ہوتا ہے، اور اگر برتن پہلے سے ہی خالی ہو تو بھلا اس میں سے کیا ٹپکے گا۔ بعض دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص جس کا برسہا برس سے علم اور تعلیم سے کوئی رشتہ نہیں ہے، وہ کبھی تجارت کرتا ہے، اس میں ناکام ہوتا ہے، کبھی ملازمت کرتا ہے اس میں ناکام ہوتا ہے۔ ہر طرف ناکامی کا منھ دیکھنے کے بعد اپنے کسی بااثر رشتہ دار وغیرہ کی سفارش سے کسی اسکول یا مدرسہ میں تدریس کے عمل سے منسلک ہو جاتا ہے، اور بغیر علم اور بغیر تجربہ کے اس کام کو انجام دیتا ہے اور اس کی اجرت حاصل کرتا جاتا ہے، گویا یہاں ناکامی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے، اداروں کے ذمہ داروں کو اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

صــالحیت: ویسے تو ہر کلمہ گو کو دینی شعائر کا پابند ہونا چاہیے، لیکن درس وتدریس سے وابستہ حضرات کے لیے اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے، نماز، روزہ کی پابندی، وضع قطع، لباس وپوشاک، رہن سہن، بول چال غرض کہ ہر چیز میں انہیں آئیڈیل اور نمونہ ہونا چاہیے، طلبہ وطالبات اپنے معلمین ومعلمات سے صرف علمی معلومات ہی اخذ نہیں کرتے بلکہ ان کے اخلاق وکردار سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ ان خيرا فخير.....

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ان کے درس کی مجلسوں میں پانچ ہزار یا اس سے زیادہ لوگ شریک ہوتے تھے، ان میں سے تقریبا پانچ سو لوگ لکھتے پڑھتے تھے، بقیہ لوگ آپ کو دیکھ کر ادب واخلاق سیکھتے تھے۔

پان، بیڑی، سگریٹ، گٹکھا وغیرہ کا استعمال ہو یا ترک نماز کا معاملہ ہو، جھوٹ، غیبت، چغلی وغیرہ کی عادت ہو یا وعدہ خلافی، بدعہدی اور لین دین میں عدم شفافیت کی بات ہو، معلم کا ان کمزوریوں میں لت پت ہونا طلبہ کے اوپر بہت برا اثر ڈالتا ہے۔ ایسا معلم اپنا وقار کھو بیٹھتا ہے اور طلبہ کے دلوں سے ایسے اساتذہ کا ادب واحترام جاتا رہتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

محــنت: چھوٹا بڑا جو بھی کام ہو وہ محنت اور جدوجہد چاہتا ہے۔ تدریس جو کہ ایک فن اور بامقصد عمل ہے۔ لہذا اسے پورے ذوق وشوق اور ذمہ داری سے نبھانا چاہیے، استاد کو پوری تیاری کے ساتھ درس گاہ میں داخل ہونا چاہیے، اس تیاری میں اسے جو بھی محنت درکار ہو اس میں سستی نہیں کرنی چاہیے۔ ہمیں کیا پڑھانا ہے؟ کس کو پڑھانا ہے؟ کتنا پڑھانا ہے؟ کیسے پڑھانا ہے؟ ان سب چیزوں کو ذہن میں رکھ کر درس کی تیاری کرنا چاہیے۔

ایک معلم کے لیے مطالعہ بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ زیر درس مضمون چاہے جتنا آسان ہو یا جتنی بار بھی اسے پڑھایا جا چکا ہو اسے بھی پڑھانے سے پہلے ایک نظر ضرور دیکھ لینا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے متعلق کوئی نئی بات سامنے آئے، یا موجودہ وقت کے تناظر میں اس پر نئے سرے سے گفتگو کی ضرورت ہو۔ ڈکشنری کے استعمال میں بھی تکلف سے نہیں کام لینا چاہیے۔ یہ بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ علم میں جمود نہیں ہوتا، اس میں غور وفکر اور تدبر وتفکر کا سلسلہ جاری رکھنا ضروری ہے، تدریس اور طرق تدریس وغیرہ کے باب میں جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور نئے نئے تجربات ہوتے رہتے ہیں ایک معلم کو ان سے آگاہی رکھنی چاہیے تا کہ اس کا کام زیادہ مفید و مؤثر ہو اور ساتھ ہی وقت کے تقاضے کے مطابق ہو۔

وقت کی پابندی کا بھی ایک معلم کو خاص خیال رکھنا ضروری ہے، بچوں کو پڑھانے کے لیے جو وقت مختص کیا گیا ہے وہ وقت امانت ہے، وہ ان بچوں کا حق ہے۔ کلاس میں داخل ہونے میں تاخیر اور نکلنے میں جلدی کرنے سے اس امانت میں خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے اور بچوں کی حق تلفی ہوتی ہے، اضطراری یا اتفاقی طور پر کبھی ایسی صورت پیش آسکتی ہے، لیکن اس میں تعمد، تساہل اور استمرار بہت بڑا عیب ہے۔

طلبہ کی نفسیات اور ذہنی تفاوت کا اعتبار: تدریس کے عمل میں جو اہم چیزیں ایک معلم کے لیے قابل توجہ ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کلاس کے طلبہ کے مابین جو نفسیاتی، ذہنی وجسمانی تفاوت ہے اسے ملحوظ رکھا جائے۔ طلبہ میں کچھ ذہین، کچھ متوسط اور کچھ غبی ہوتے ہیں۔ اس طرح کچھ شرمیلے، کچھ جرأت مند، کچھ گستاخ، کچھ مؤدب ہوتے ہیں۔ ایک کامیاب مدرس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ان تمام امتیازات اور خصائص کی رعایت کرتے ہوئے درس دے اور کلاس کو کنٹرول کرے۔

(بقیہ صفحہ ۳۱ پر)

تحریر: سحر شعیر (اسکالر دعوتی وتربیتی امور)
ترجمہ: عبدالمنان شکراوی، اہل حدیث منزل، دہلی

بچوں کے سوالات سے تنگی محسوس نہ کریں

اس میں شک نہیں کہ مربی وسرپرست کو تربیت سے متعلق جتنی زیادہ معلومات ہوں گی، بچوں کی تربیت میں اسے اتنی ہی زیادہ آسانی ہوگی اور بچوں کی جن حرکتوں کو وہ بدخلقی وبدتمیزی خیال کرتا ہے ان سے متعلق جب پردہ اٹھے گا کہ وہ تو درحقیقت ان کی نشو ونما کا جزء لاینفک ہے تو کسی قدر راحت محسوس ہوگی۔نشو ونما کی صفات وخصوصیات زیادہ تر بچوں میں مشترک ہوتی ہیں جن کا جاننا ہر مربی وسرپرست کے لیے بے حد ضروری ہوتا ہے۔تاکہ انہیں وہ ذہنی طور پر قبول کرسکے اوران کے سلسلے میں بہتر انداز اختیار کرسکے نیز بچے کے سلسلے میں اس کے سوالات: وہ اس طرح کی حرکت کیوں کرتا ہے؟ کھیل کے سامان وغیرہ کیوں توڑ ڈالتا ہے؟ حقیقی اور خیالی باتوں کے درمیان کیوں تمیز نہیں کرپاتا؟ اسی طرح کیا اسے کھیل کود سے محروم رکھا جائے؟ وغیرہ وغیرہ کی حقیقت اس کے سامنے پوری طرح واضح ہوجائے گی۔

سوالات کی کثرت کو بچے کے ان اہم رجحانات میں شمار کیا جاتا ہے جن کا تعلق نشو ونما کے مرحلے سے ہے۔اور یہ سوالات کی کثرت ابتدائی بچپنے کے مرحلے یعنی دوسال سے پانچ سال تک کی عمر تک ہوتی ہے۔اسی لئے اسے سوالات کا مرحلہ کہا جاتا ہے۔

بچے کے سوالات کی کثرت کس بات پر دلالت کرتی ہے؟ بچہ ہر چیز کے بارے میں پوچھتا ہے۔وہ کبھی بھی کسی بھی چیز کے بارے میں سوال کرسکتا ہے۔اس کے بعض سوالات کا مقصد معلومات حاصل کرنا ہوتا ہے۔مثلا کہتا ہے کہ اللہ کہاں ہے؟ اس کی شکل کیسی ہے؟ میں دنیا میں کس طرح آیا؟ جبکہ بعض دفعہ وہ ماں باپ کو زچ کرنے کے لیے سوال کرتا ہے، مثلا وہ کہتا ہے: ابو آپ اتنے موٹے کیوں ہیں؟ اور کبھی ایسی باتیں کرتا ہے جن سے اس کے خوف وڈر اور بے چینی کا اظہار ہوتا ہے۔مثلا کہتا ہے کہ کیا واقعی ہم مرجائیں گے؟ اور امی کیا آپ مرجائیں گی؟ اسی طرح بعض دفعہ اس کے سوالات کا مقصد تجسس اور کبھی یہ بتانا ہوتا ہے کہ اب وہ اچھی طرح بولنے لگا ہے۔چنانچہ مفرد الفاظ استعمال کرنے کی غرض سے سوال کرتا ہے۔اس کا مقصد صرف بولنا ہوتا ہے نہ کہ جواب مانگنا۔کبھی بچہ دوسروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے سوال کرتا ہے۔اکثر اوقات اس کا مقصد سوال کا جواب مطلوب نہیں ہوتا بلکہ صرف اپنی جانب توجہ مبذول کرانا مقصد ہوتا ہے۔لہٰذا اس کی طرف توجہ دینا بہت ہی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

ماں باپ کثرت سوال کے سلسلے میں کیا رویہ اختیار کریں؟ بہت سے سرپرست ومربی بچے کے سوالات کی کثرت سے بہت تنگی محسوس کرتے ہیں، خاص طور پر اس وقت جبکہ وہ اس کے سوال کا مناسب جواب نہیں دے پاتے۔ چنانچہ کبھی تو وہ بچے کے ساتھ سختی، ڈانٹ ڈپٹ اور سزا کا معاملہ کرتے ہیں، کبھی دوبارہ سوال کرنے سے باز رہنے کا فرمان صادر کردیتے ہیں۔کیونکہ انہیں اس کے سوالات کے جوابات نہ دے پانے سے خفت کا احساس ہوتا ہے اور جواب دینے سے انکار کردیتے ہیں کبھی دیتے بھی ہیں تو ناقص یا غلط یا بچے کی سمجھ وشعور کے حساب سے غیر مناسب جواب دیتے ہیں تاکہ کسی بھی طرح سے اپنا پیچھا چھڑایا جاسکے۔کبھی والدین بچے کے سوالات سے تنگی محسوس کرتے ہیں اور مناسب جواب نہیں دیتے چنانچہ اسے ڈانٹتے پھٹکارتے ہیں اور اس طرح وہ ان سوالات (کے جوابات سے پیدا ہونے والی لیاقت) کا ابتدا ہی میں خون کردیتے ہیں اور بچے کو دوبارہ سوال کرنے سے روک دیتے ہیں۔

سوال کے جواب میں تنگی محسوس کرنے یا ہچکچانے سے بچے کے دماغ میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں اور وہ مزید سوالات کرتا اور جوابات پر اصرار کرنے لگتا ہے۔

بچے سے یہ کہنا کہ ابھی وہ چھوٹا ہے اس کو سمجھ نہیں پائے گا، اس سے اس کے اندر کسی اور ذریعہ سے معلومات حاصل کرنے کی جستجو بڑھ جاتی ہے اور بسا اوقات وہاں سے اسے اپنے سوالات کا غلط جواب ملتا ہے۔

بچے پر چیخنا، غصہ کا اظہار کرنا اور سوال سے باز رہنے کے لئے کہنا، بصورت دیگر سزا کی دھمکی دینا، ان سب سے اسے یہ تاثر ملے گا کہ ماں باپ اس کے سوالات کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اور ان سے انہیں تنگی محسوس ہوتی ہے۔

نئے نئے موضوعات اٹھانا نیز ایسے کام کرنا جن سے بچے میں جستجو پیدا ہو اور اپنی عمر سے میل نہ کھانے والے سوالات کرے مناسب نہیں ہے۔

بچے کو سوال سے روکنے کے منفی اثرات: بچے کو اگر اس کے سوال کا صحیح جواب نہ دیا جائے تو اس سے اس کے تجسس کا قتل اور کچھ نیا سیکھنے کا ذوق وشوق ختم ہوگا۔مربی وسرپرست کے لنڈورے اور ناقص جوابات کی حقیقت جلد بچے پر واضح ہوجاتی ہے اور پھر ان پر سے اس کا بھروسہ اٹھ جاتا ہے۔ پھر وہ اپنی تشفی کے لیے دیگر ذرائع مثلا نوکر چاکر، دوست احباب وغیرہ تلاش کرنے لگتا ہے جن سے سیکھی جانے والی باتیں بسا اوقات نقصان دہ اور باعث شر وفساد بھی ہوتی ہیں۔اگر بچے کو غلط جواب دیا جائے گرچہ اس سے اس کی تشفی ہوجائے تب بھی اتنا ہی خطرناک ہے کیونکہ اس سے اسے غلط معلومات حاصل ہوں گی اور ان کی روشنی میں وہ غلط راستے پر چل پڑے گا۔

اگر والدین بچے کے سوالات سے تنگ دلی محسوس کرتے ہیں اوراس کے پے درپے سوالات پرخاموشی اختیار کرتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو گنہگار محسوس کرے گا اور اس کی بے چینی اور شرمندگی میں اضافہ ہوگا نیز اس کی خود اعتمادی کو چوٹ پہنچے گی۔الغرض یہ سارے رویے غلط ہیں جن سے احتراز لازم ہے۔

ھوشیاری اور حفاظت: ماہرین تربیت کا خیال ہے کہ بچے کے سوالات کی عادت ،فطری عقلی نشو ونما کی علامت ہے۔جبکہ گردوپیش کی چیزوں کی پرواہ نہ کرنے والا اوران کے بارے میں سوال نہ کرنے والا بچہ سست وکاہل تصور کیا جاتا ہےاوراس کی عقلی نشو ونماو سمجھداری کا کوئی قابل قدر ریکارڈ نہیں ہوتا۔

اگر والدین ان حقائق کو جان لیں تو بچوں کی کثرت سوال کی عادت پرصبر کرنا ان کے لیے آسان ہوجائے گا بلکہ وہ ان سوالات کا کھلے دل سے خیرمقدم کریں گے کیونکہ یہ ان کے بچے کی ہوشیاری واقبال مندی کی علامت ہوتی ہے۔علاوہ ازیں بہت سارے تربیتی فائدے ہیں جن سے زیادہ سوال کرنے والا بچہ مستفید ہوتا ہے مثلا:

معلومات میں اضافہ کے لیے بچے کی تسلی کرانے سے اس کی لیاقت خاص طور پر عقلی لیاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔

بچے کی زبان دانی کی لیاقت بڑھتی ہے۔کیونکہ اس کے سوالات کے جوابات اور ماں باپ اور بچے کے درمیان گفتگو کے نتیجے میں اس کے پاس الفاظ کا ذخیرہ جمع ہوجائے گا۔

اس سے اس کے اندر بات کو اچھی طرح سننے کا سلیقہ آجائے گا بلکہ دوسروں کی بات خاموشی اورغور سے سننے کی عادت پڑ جائے گی۔

سوال وجواب کا رویہ باپ بیٹوں کے درمیان رابطےاور جذباتی مشارکت کا اچھا موقعہ مانا جاتا ہے۔

سوالات کے جوابات مل جانے سے بچے کے اندر خود اعتمادی اورعزت نفس پیدا ہوتی ہے اسی طرح والدین پر بھی اس کا اعتماد بڑھ جاتا ہے کیونکہ درحقیقت معلومات کا قابل بھروسہ ذریعہ ووسیلہ وہی ہیں۔

جستجو وتجربے پر بچے کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے مثلا ہم اس سے کہیں: ’’اس سوال کا جواب فلاں فلاں کتاب میں ملیگا یا فلاں فلاں سے دریافت کرو کیونکہ وہ اس میدان کا ماہر واسپیشلسٹ ہے۔‘‘

جبکہ بچے کے سوال کا جواب دینے میں لاپرواہی برتنا، راہ فرار اختیار کرنا ،غلط یا ناقص جواب دینا بچے کو بہت سارے فائدوں سے محروم کرسکتا ہے۔اسی طرح وہ اس کا جواب اپنے دوستوں اورساتھیوں سے مانگنے پر مجبور ہوتا ہے جس سے بہت ہی سنگین تربیتی خطرہ لاحق ہونے کا امکان ہوتا ہے۔

الغرض بچے کےسوالات کی بھرمار مربی وسرپرست پرضروری قرار دیتی ہے کہ وہ صحیح جوابات دینے پر اپنی توجہ لازمی طور پرمرکوز کریں اور بچے کی عمراورسوجھ بوجھ کے حساب سے اسے سمجھائیں۔ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ تربیتی مقاصد جوسوال کے موضوع سے متعلق ہیں وہ پیش نظر رہیں تاکہ جواب دیتے وقت اس کا خیال رکھا جائے۔اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ صبر وکشادہ دلی کا مظاہر کرے اورمزید سوالات کی بوچھار سہنے کی بھی اپنے اندر قدرت رکھے۔

مشــــورے: ☆ بچے کے سوالات کا جواب دینے کے بھی کچھ قاعدے ضابطے ہیں جن کا خیال رکھنا بےحد ضروری ہے:

☆ بچے کی بات اچھی طرح کان لگا کرخاموشی سے سننا اوراس کی پوری بات سننے کے لیے صبر کا مظاہرہ کرنا۔اس سے اس کے دل میں آپ کی قدر وقیمت میں اضافہ ہوگا۔

☆ بچے کے سوالات کا اہمیت کے ساتھ خیرمقدم کرنا، ان کی کثرت سے اکتاہٹ محسوس نہ کرنا اور منفی عبارتوں مثلا: اس قسم کے سوال مت کرو، زیادہ سوال مت کرو،سوالوں سے مجھے زچ نہ کرو، کہہ کر تردید سے احتراز کرنا۔سوال کا جواب کشادہ دلی اورآسانی سے دیا جانا چاہئے۔اسے سمجھانے کے لیے تصویروں وغیرہ کا سہارا بھی لیا جاسکتا ہے۔

☆ سوال کا جواب سچا اور مبنی برحقیقت ہونا چاہئے۔اس خدشے سے اپنے آپ کوآزاد رکھیں کہ بچپنے میں بعض سوالات کا جواب دیا جائے گا تو اس کے منفی اثرات مرتب ہوں گے، یہ دل کو دی جانے والی غلط تسلی ہے جب تک کہ صحیح اورمناسب انداز میں حقائق کو ان کے گوش گزار نہ کردیا جائے۔

☆ بچے کی عمراوراس کی عقلی لیاقت کے اعتبار سے مناسب عبارت اورمناسب انداز اختیار کیا جائے۔یہ بات جنسی اوردینی وعقائدی مسائل میں خاص طور پرضروری ہے۔

☆ سوال کا صحیح جواب معلوم نہ ہونے کی صورت میں بچے کو اس سے آگاہ کردینا چاہئے اوراس سوال کا جواب دینے کے لیے مہلت مانگ لینی چاہئے۔اس موقعہ پر بچے کو یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ انسان کا علم محدود ہے۔اس سے بچے میں خاکساری وتواضع کا جذبہ پیدا ہوگا۔

☆ کسی سوال کے جواب کے سلسلے میں بچے کی تجویز بھی طلب کی جاسکتی ہے مثلا آپ اس سے کہہ سکتے ہیں کہ :تمہاری کیا رائے ہے؟ یہ اسلوب بہت ہی پیچیدہ سوالات میں نہیں اپنانا چاہئے کہ وہ اپنی رائے دینے سے قاصر ہوں۔

☆ بچے کو اس کے صحیح جواب پر بطور حوصلہ افزائی انعام بھی دیا جانا مناسب ہے تاکہ اس کے اندر اپنے طور پر سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی لیاقت واہلیت پروان چڑھ سکے،اس کے لیے اسے عمر کے مطابق بعض ماٰخذ کی جانب رہنمائی بھی کی جاسکتی ہے۔

☆ سوال کے جواب کے دوران نرمی کا اسلوب اختیار کرنا، جذباتیت سے احتراز کرنا اور ہمیشہ ہی بچے کے سوال کے دوران خاموشی اختیار کرنا بے حد ضروری ہے۔ (بشکریہ ہفت روزہ الفرقان،کویت)

☆☆☆

مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی خصوصی دعوت پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے

امیر محترم فضیلۃ الشیخ اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ کا ۱۳؍روزہ کامیاب دورۂ برطانیہ

اہم شخصیات کے ذریعہ شایان شان استقبال، کانفرنسوں میں شرکت، دینی وعلمی مراکز کا دورہ، دروس کا اہتمام، مورخ جماعت ڈاکٹر بہاؤالدین صاحب کی خدمت میں مومنٹو پیش۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم فضیلۃ الشیخ اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی خصوصی دعوت پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند برطانیہ کے زیر اہتمام ۴۱ویں انٹرنیشنل سالانہ دعوتی کانفرنس بعنوان **ورفعنا لک ذکرک** (دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے) میں شرکت اور خطاب کے لیے مورخہ ۶؍اکتوبر ۲۰۱۸ء کو برطانیہ تشریف لے گئے۔ جہاں اہم شخصیات نے آپ کا شایان شان استقبال کیا۔ آپ نے مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے زیر اہتمام دو بڑی کانفرنسوں میں شرکت کی، متعدد علمی ودعوتی مراکز کا دورہ کیا، مساجد میں خطبات جمعہ اور دروس قرآن وحدیث کا اہتمام فرمایا: ممتاز شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ بطور خاص مورخ جماعت ڈاکٹر بہاء الدین صاحب حفظہ اللہ کو ان کی عظیم وگراں قدر خدمات کے اعتراف میں مومنٹو اور عبا پیش کیا۔ قابل ذکر ہے کہ امیر محترم نے اس کانفرنس میں ایک بڑے انگریز آفیسر وینس رائیس کو دہشت گردی مخالف اجتماعی فتاویٰ جسے ۲۰۰۶ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے تیار کر کے مختلف زبانوں میں شائع کیا تھا اور اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، امیر محترم نے پیش فرمایا اور اس کی بہت سی کاپیاں جنہیں آپ اپنے ساتھ لے گئے تھے وہ مراکز اور اشخاص کے درمیان تقسیم بھی کی گئیں۔ بلاشبہ یہ ایک یادگاری وتاریخی دعوتی سفر تھا جس کی سرگرمیاں جناب مولانا عبدالہادی عمری صاحب حفظہ اللہ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ، جناب مولانا حبیب الرحمٰن جہلمی صاحب حفظہ اللہ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ اور خازن ودیگر ذمہ داران مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے زیر اہتمام اور جناب مولانا شیر خان جمیل احمد مدنی حفظہ اللہ نائب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی تنسیق سے عمل میں آئیں۔ فجزاہ اللہ خیرالجزاء

ذیل میں اس ۱۳روزہ کامیاب دعوتی دورہ کی نشاطات کا ذکر کیا جاتا ہے:

۷؍اکتوبر ۲۰۱۸ء اتوار۔ امیر محترم نے مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے زیر اہتمام برمنگھم میں منعقد انٹرنیشنل ۴۱ویں سالانہ دعوتی کانفرنس بعنوان **ورفعنا لک ذکرک** ’’دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے‘‘ میں شرکت کی اور پر مغز خطاب فرمایا۔ اسی روز علماء کے اعزاز میں استقبالیہ پروگرام منعقد ہوا اس میں بھی آپ نے خطاب کیا۔

۸؍اکتوبر ۲۰۱۸ء پیر۔ آپ نے برمنگھم شہر اور اس کے متعدد دینی وتعلیمی مراکز اور مساجد کی زیارت کی۔

۹؍اکتوبر ۲۰۱۸ء منگل۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کا معائنہ کیا اور بالخصوص اسلامک سینٹر اسلامک یونیورسٹی کی لائبریری کا جائزہ لیا۔

اسی رات کو بانبری شہر کی زیارت کی۔ بانبری شہر میں مرکزی جمعیت برطانیہ کی برانچ قائم ہے اور اس کے ذمہ دار شیخ شعیب احمد محمد پوری سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ ہیں۔ امیر محترم نے اس میں بعد نماز عشاء خطاب فرمایا۔

۱۰؍اکتوبر ۲۰۱۸ء، بدھ۔ مورخ جماعت جناب ڈاکٹر بہاء الدین صاحب حفظہ اللہ سے ملاقات کے لیے شہر نیوکاسل روانہ ہوئے۔ رات میں پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔ رات ڈاکٹر صاحب کے یہاں بسر ہوئی۔

۱۱؍اکتوبر ۲۰۱۸ء جمعرات۔ ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کی معیت میں نیوکاسل شہر میں ساحل سمندر کی سیر ہوئی۔ رات میں مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی شاخ میں عربی میں خطاب فرمایا جس کا انگریزی ترجمہ مولانا عبدالباسط عمری نے پیش کیا۔

۱۲؍اکتوبر ۲۰۱۸ء جمعہ۔ بریڈفورڈ کی الہدیٰ مسجد میں خطبہ جمعہ دیا۔ اور شب میں سب لین مسجد میں درس دیا۔

۱۳؍اکتوبر ۲۰۱۸ء سنیچر، الہدیٰ مسجد بریڈفورڈ میں بعد نماز فجر درس دیا۔ اسی روز ۱۲؍بجے دن میں، بریڈفورڈ ہی میں ایک چرچ کو مسجد اور اسلامک سینٹر میں جو تبدیل کیا گیا ہے اس کے ایک حصہ کا افتتاح کیا اور خطاب فرمایا۔

پھر بعد نماز ظہر تا عشا جمعیت کی ہیلی فیکس برانچ میں منعقد عظمت صحابہ کانفرنس میں شرکت کی اور خطاب فرمایا اور اس کانفرنس کے دوران مورخ جماعت جناب ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کو امیر محترم نے عبائے تکریمی پہنائی اور مومنٹو پیش فرمایا۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب کے خصوصی علمی معاون جناب مولانا شیر خان جمیل احمد مدنی صاحب کو بھی امیر محترم نے مومنٹو سے نوازا۔

۱۴؍اکتوبر ۲۰۱۸ء اتوار، کو مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے ناظم عمومی شیخ حبیب الرحمٰن جہلمی کے استقبالیہ پروگرام اور ظہرانے میں شرکت کی اور خطاب فرمایا۔ اسی روز امیر محترم نے گلاسگو کی مسجد الفرقان میں بعد نماز مغرب اجلاس عام میں خطاب فرمایا۔

۱۵؍اکتوبر ۲۰۱۸ء پیر۔ کو امیر محترم برمنگھم واپس لوٹ آئے۔

۱۶؍اکتوبر ۲۰۱۸ء منگل، لندن کے لیے روانگی ہوئی۔ اور شیخ کنور شکیل صاحب کے دولت کدے پر ورود ہوا۔ اور ان کے ہمراہ بعض تاریخی مقامات سے گزرنے اور دیکھنے کا موقع ملا۔ لندن کی بعض مساجد ومراکز میں امیر محترم کے دروس ہوئے۔ اور جماعت وملت کی اہم علمی اور سماجی شخصیات سے ملاقات اور باتیں ہوئیں۔

۱۷؍اکتوبر ۲۰۱۸ء بدھ، ریڈنگ شہر کے ایک اہم مرکز میں امیر محترم کا بعد نماز عشاء خطاب ہوا۔

اس طرح متنوع نشاطات، سرگرمیوں اور حصولیابیوں سے بھرپور یہ دعوتی سفر ۱۸؍اکتوبر ۲۰۱۸ء کو بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوا۔ اس دورہ کے حسن اہتمام اور استقبال وضیافت کے لیے مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ اور اس کے ذمہ داران خصوصاً مولانا عبدالہادی عمری، مولانا حبیب الرحمٰن جہلمی، مولانا شیر خان جمیل احمد مدنی صاحبان ودیگر احباب جماعت خصوصاً محترم بزرگ ابراہیم صاحب اور محترم الطاف صاحب شکر وسپاس کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر سے نوازے اور اس دورے کو ملک وملت اور جماعت کے لیے مفید سے مفید تر بنائے۔ آمین ☆☆

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

(۱)

دہشت گردی بہر حال ظلم اور لائق مذمت ہے/ مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی

دہلی، ۲۶/ستمبر ۲۰۱۸ء

دہشت گردی اور آتنگ واد ایک عظیم اور نا قابل معافی جرم ہے۔ چاہے وہ کوئی فرد کرے، کوئی جماعت انجام دے۔ کوئی ریاست یا حکومت اس کا ارتکاب کرے، اپنے حقوق کی بازیابی کا نام دے۔ یا تنگ آید بجنگ آید کا فارمولہ تراشے، یا مظلوم بننے کے لیے اور اصل مسائل سے توجہات ہٹانے کے لئے دہشت گردی کا شاخسانہ کھڑا کرے۔ بہر حال دہشت گردی ظلم ہے، زیادتی ہے، انتہائی لائق مذمت ہے خواہ وہ ایران میں ہو، یا توران میں، افغانستان میں ہو یا وطن عزیز ہندستان میں، یونان میں ہو یا مقدس زمین عربستان میں، یورپین ممالک میں ہو یا پاکستان میں۔ ہے یہ جرثومہ اکھاڑ پھینکنے کے لائق اور دردناک عذاب اور سخت سزاؤں کا سزاوار۔ یہ باتیں مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے ایران کے شہر اہواز میں ہوئے دہشت گردانہ حملہ جس میں کم سے کم ۲۵/افراد ہلاک اور ۶۰/لوگ زخمی ہوئے، کی مذمت کرتے ہوئے اپنے ایک اخباری بیان میں کہیں۔ امیر محترم نے اپنے بیان میں واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے مجرمین کو قرار واقعی سزا دینے کی اپیل کی اور متاثرین سے اظہار ہمدردی اور صبر کی تلقین و تعزیت کی۔

(۲)

مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ کے ناظم اعلیٰ جناب ضیاء الحسن صاحب کے انتقال پُر ملال پر مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی کا تعزیتی پیغام

دہلی، ۱۳/اکتوبر ۲۰۱۸ء

مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے ہندوستان کی قدیم ترین دینی و تعلیمی درسگاہ مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ بھوجپور، بہار کے ناظم اعلیٰ جناب ضیاء الحسن صاحب کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو قوم وملت کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ضیاء الحسن صاحب جن کا انتقال پر ملال کل شام آٹھ بجے بعمر ۸۰ سال ہوگیا، اپنی خاندانی وجاہت، انتظامی قابلیت اور علمی ترفع کی وجہ سے خاص وعام میں کافی معروف ومشہور تھے اور معززین شہر میں شمار ہوتے تھے۔ آپ جین کالج آرہ میں فزکس کے ڈیموسٹریٹر رہے۔ پھر کتاب وسنت کی نشرواشاعت اور دینی تعلیم وتربیت کے فروغ کی طرف متوجہ ہوئے۔

مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ جو کہ ہندوستان کی قدیم ترین دینی تعلیمی اقامتی درسگاہ اور بزرگوں کی یادگار ہے جس کی بنیاد یکتائے روزگار علامہ محدث ابومحمد ابراہیم آروی رحمہ اللہ نے ڈالی تھی اور جہاں اہم علمی اور تاریخی سالانہ اجتماع ''مذاکرۂ علمیہ'' کا آغاز کیا تھا جس میں ہندوستان کے اکابر علماء ودانشوران شریک ہوتے تھے اور اس شرکت کو اپنے لیے مایہ امتیاز اور علم وثقافت کی اعلیٰ سند گردانتے تھے اور اسی تاریخی تعلیمی دعوتی مرکز میں ۱۹۰۶ء کو سلفیان ہند کی متحدہ مرکزی تنظیم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند (آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس) کا قیام عمل میں آیا تھا، اور اسی تاریخی مذاکرۂ علمیہ میں مرکزی جمعیت کی سالانہ رپورٹ پیش کی جاتی تھی۔ مرحوم ضیاء الحسن صاحب نے تقریباً پچاس سال قبل اس مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے اس حال میں کوشش کی جب ادارہ مکمل طور پر دست برد زمانہ کا شکار ہو چکا تھا۔ اس کا نام ونشان تک مٹ چکا تھا اور یگانہ زمانہ اور عالم میں روزگار اور یادگار اور منتخب ومختار یہ مرکز علم وعمل جو قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ مرحوم نے اسے زندہ و پائندہ بنا دیا۔ اور تعمیر وترقی کی راہ پر بتوفیق الٰہی گامزن کردیا۔ جو ان سب کے لیے صدقہ جاریہ بھی ہے اور یادگار بھی اللہ اسے دن دونی رات چوگنی ترقیات سے نوازے۔ آمین مرحوم تادم واپسیں اس کی تعمیر وترقی میں لگے رہے اور ان کے دست راست وہمدم وہمراز انور علی آروی نوجوانی سے ہی ان کے شانہ بشانہ کھڑے رہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس کی تعمیر وترقی کے لئے مرحوم ضیاء الحق صاحب کے زیر سایہ وزیر قیادت منتظم کار مہتمم، اور ہراول دستہ اور ہدی خواں بنے رہے۔ بلا شبہ مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ آپ کے لیے ''او علم ينتفع به'' کے مصداق صدقہ جاریہ ہے۔ جس میں سینکڑوں طالبان علوم نبوت کتاب وسنت کا علم حاصل کر رہے ہیں۔ امیر محترم نے مزید کہا کہ ضیاء الحسن صاحب کی دینی وابستگی اور دینی علم سے رغبت ہی کا اثر تھا کہ انہوں نے اپنے بچوں کو عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ کرایا۔ سب نیک ہیں۔ آپ کے فرزندار جمند مولانا ابوناصر رضاء الحسن سلفی ومدنی صدر مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ وحال مقیم دبئ مرکزی دار العلوم جامعہ سلفیہ بنارس پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ التحصیل ہوئے جو دین وملت کی عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور اپنے اسلاف کی یادگار کتاب وسنت کے علمبردار اور اپنے والد محترم کے ذریعہ نشاۃ ثانیہ سے دوچار کئے ہوئے ادارہ کی تعمیر وترقی میں شب وروز کوشاں ہیں۔

امیر محترم نے کہا کہ جناب ضیاء الحسن صاحب کے مجھ سے ذاتی روابط تھے اور وہ مجھ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ افسوس کہ ان دنوں انگلستان میں پڑا ہوا ہوں اور ان کے انتقال کی خبر تاخیر سے موصول ہورہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے خدمات کو قبول کرے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے، ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، پسماندگان خصوصا صاحبزادگان اور صاحبزادی کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے اور مدرسہ احمدیہ سلفیہ اور اس کے ذمہ داران، اساتذہ اور طلباء

اور جماعت وملت کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین۔ پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ پانچ صاحبزادے مولانا رضاء الحسن سلفی، محبوب الحسن، ابن الحسن، منیر الحسن، ثناء الحسن اور ایک بیٹی اور پوتے پوتیاں ہیں۔ نماز جنازہ آج بعد نماز ظہر آپ کے صاحبزادے مولانا رضاء الحسن سلفی نے پڑھائی اور قبرستان روضہ محلّہ آرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

(۳)

امرتسر میں ہوئے دلدوز اور عظیم حادثہ پر اظہار رنج وغم

دہلی: ۲۰/ اکتوبر ۲۰۱۸ء، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے گذشتہ کل شام میں پنجاب کے شہر امرتسر میں راون دہن کے موقعہ پر ہونے والے دلدوز اور عظیم حادثہ پر جس میں سرکاری آنکڑوں کے مطابق ساٹھ سے بھی زیادہ قیمتی جانیں تلف ہوئی ہیں اور تقریبا ڈیڑھ سو افراد زخمی ہوئے ہیں، پر اپنے شدید رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک عظیم اندوہناک حادثہ ہے جس میں قیمتی انسانی جانوں کا نقصان ہوا ہے اور بہت سے بھائی زخموں اور تکلیفوں سے کراہ رہے ہیں۔ اس درد والم کی گھڑی میں ہم تمام پسماندگان ومتاثرین کے ساتھ ہیں اور ان سے اظہار تعزیت وہمدردی کرتے ہیں نیز بلا تفریق مذہب وملت ان کا ہر طرح کے تعاون کی اپیل کرتے ہیں۔ ملک میں اتنے بڑے الم ناک حادثے پر اظہار افسوس کرتے ہوئے ان کے تعاون کو ملکی اور عوامی سطح پر ضروری قرار دیتے ہیں اور حکومت وعوام سے مصیبت کی اس گھڑی میں یکساں طور پر اظہار ہمدردی ومدد کی اپیل کرتے ہیں۔

امیر محترم نے مزید کہا ہے کہ راون دہن کا منظر دیکھنے آئی اتنی بڑی بھیڑ کے لئے پختہ حفاظتی انتظامات اور احتیاطی تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں تھیں جو نہ ہو سکا اور اس کی اتنی بڑی قیمت چکانی پڑی۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ حادثہ کا سبب بننے والی لاپرواہیوں اور ان کے اصل ذمہ داروں کا پتہ لگائے اور انہیں قرار واقعی سزا دے نیز اس قسم کے مواقع کو محفوظ بنانے کے لئے آئندہ پختہ انتظامات کرے، علاوہ ازیں اس جیسے پروگراموں کا اہتمام کرنے والے افراد یا ادارے خود بھی تمام حفاظتی و احتیاطی تدابیر اختیار کریں اور انتظامیہ بھی ان کا بغور جائزہ لے تا کہ اس طرح کے دلدوز اور عظیم حادثات سے بچا جا سکے۔

☆☆☆

مولانا عبدالمتین بنگالی کا انتقال: علامہ عبدالجلیل سامرودی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا عبدالمتین بنگالی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔۱۵/ اکتوبر ۲۰۱۸ء نو بجے صبح آپ کے فرزند مولانا عبدالقادر ریاضی نے آپ کے انتقال کی اطلاع دی ۔ مولانا آخری کچھ سالوں سے بیمار تھے۔ سماعت بھی ضعیف ہوگئی تھی۔ فالج کا اثر تھا۔ علاج چل رہا تھا لیکن موت کو کون ٹال سکتا ہے۔ کل نفس ذائقة الموت مولانا رحمہ اللہ بلند اخلاق کے حامل تھے۔ فرائض کے ساتھ سنن ونوافل کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں سامرود آجاتے صلاۃ عید ادا کرتے اور شوال کے چھ روزے رکھ کر ہی کہیں دوسرے مقام کا سفر کرتے۔ ۱۹۶۹ سے ۱۹۷۲ علامہ سامرودی کی وفات تک آپ سے مستفید ہوتے رہے۔ پھر علامہ سامرودی کی وفات کے بعد مولانا محمد جوناگڈھی رحمہ اللہ کے فرزند مولانا حامد جوناگڈھی رحمہ اللہ کی دعوت پر جوناگڈھ تشریف لے گئے اور وہاں چار سال تک دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا عبدالمتین رحمہ اللہ نے ایک بڑا کار خیر یہ بھی کیا کہ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی ادارت میں نکلنے والا ماہنامہ ''البلاغ'' کو ہندوستان کے قریہ قریہ، شہر شہر پہنچا دیا۔ وہ ہر سال پورے ہندوستان کا دورہ کرتے تھے اور البلاغ کا تعارف کرواتے تھے۔ انھیں ہند کے اکابر علماء کے حالات زندگی ادعیہ ماثورہ کی طرح ازبر تھے۔ اللہ بخشے بڑی خوبی تھی مرنے والے میں۔ اللهم اغفرله وارحمه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر وعذاب النار (شریک غم: محمود عبدالوہاب سلفی سامرودی، گجرات)

(بقیہ صفحہ ۲۶ کا)

ذہین طلبہ کی حوصلہ افزائی ہو اور کمزوروں کو اوپر اٹھانے کے بارے میں بھی سوچا جائے۔ بعض بچے کسی ذاتی یا گھریلو پریشانی کی وجہ سے تعلیم میں خاطر خواہ توجہ نہیں دے پاتے۔ اس قسم کی پریشانیوں کی معلومات حاصل کر کے انہیں حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

درس میں طلبہ کی شرکت: درس کا جو طریقہ قدیم زمانے سے ہمارے اداروں میں رائج ہے وہ یہی ہے کہ پوری گھنٹی صرف استاذ ہی بولتا اور پڑھاتا رہتا ہے۔ طلبہ کا کام صرف سننا اور آمنا وصدقنا کہنا ہے۔ یہ طریقہ ایک تو بیزار کن اور خواب آور ہوتا ہے، دوسرے طلبہ کی صلاحیتوں کے اظہار کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ نیز درس کی باتوں کے تئیں اٹھنے والے سوالوں کے جواب جاننے کا بھی انہیں موقع نہیں ملتا۔ اس یک طرفہ طرز تدریس کو بدلنا ضروری ہے۔ استاذ طلبہ سے خود دوران درس سوال کرے، ساتھ ہی انہیں سوال کرنے کی ترغیب دے۔ ان کی طرف سے پیش کیے جانے والے سوالوں کا جواب دینے کے لیے پہلے کلاس کے طلبہ ہی سے کہے۔ اگر ان کی طرف سے جواب نہ آئے تو خود جواب دے۔ اس طرح وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ درس میں اول تا آخر طلبہ استاد سے پورے طور پر جڑے رہیں اور درس میں اکتاہٹ، بیزاری یا بوریت کا انہیں احساس نہ ہو۔

دیگر موضوعات: مذکورہ بالا موضوعات کے علاوہ تدریس وتعلیم سے جڑے کچھ اور اہم موضوعات ہیں جن پر تبادلہ خیال کرنے اور اصلاح وتبدیلی کی سخت ضرورت ہے، جیسے امتحانات، جزا وسزا کے اصول، کلاس کو کنٹرول کرنا، وسائل ایضاح وغیرہ، ان شاء اللہ آئندہ کبھی ان امور پر بھی تفصیل سے گفتگو کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں میں خلوص، کاموں میں برکت اور علم میں اضافہ فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين.